جنوری ۲۰۰۲ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

قرآن فہمی بذریعہ خط و کتابت کورس

گھر بیٹھے قرآن کی ابدی تعلیمات سے آگاہی اور عربی زبان کے بنیادی قواعد سیکھنے کا

نادر موقع !

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام اپنی نوعیت کے **3** منفرد

خط و کتابت کورسز میں داخلے جاری ہیں

1) قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی

قرآن کی ابدی ہدایت سے استفادے کے نقطۂ نگاہ سے یہ نہایت مفید اور مؤثر کورس ہے۔ اس کورس کے لئے اعانتی مواد مطبوعہ شکل میں بھی دستیاب ہے' مزید برآں 44 آڈیو کیسٹ کے سیٹ کی صورت میں اور کمپیوٹر CD کی صورت میں بھی اعانتی مواد فراہم کیا جا سکتا ہے۔

2) عربی گرامر خط و کتابت کورس (I' II' III)

قرآن و حدیث کی زبان یعنی عربی سے واقفیت کے لئے اس کے قواعد کو جاننا بہت ضروری ہے۔ عربی گرامر کورس مرکزی انجمن کی شائع کردہ کتاب آسان عربی گرامر کے تین حصوں پر مشتمل ہے جس میں عربی گرامر کے تقریباً تمام ضروری قواعد کا احاطہ کیا گیا ہے۔

3) ترجمہ قرآن حکیم کورس

یہ کورس خصوصی طور پر نوجوان طلبہ و طالبات کے لئے ترتیب دیا گیا ہے جنہیں قرآنی الفاظ کے معانی براہِ راست سمجھائے اور یاد کرائے جاتے ہیں اور اس طرح آیاتِ قرآنی کا مفہوم سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

داخلہ کے خواہش مند حضرات پراسپکٹس کے حصول اور دیگر معلومات کیلئے درج ذیل پتے پر رجوع کریں!

ناظم شعبہ خط و کتابت کورس

قرآن اکیڈمی' 36۔کے' ماڈل ٹاؤن لاہور' فون : 03-5869501

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

جلد:	۵۱
شمارہ:	۱
شوال المکرّم	۱۴۲۲ھ
جنوری	۲۰۰۲ء
فی شمارہ:	۱۲ روپے

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

ادارۂ تحریر

حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِ تعاون

☆ اندرون ملک	125 روپے
☆ ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ	800 روپے
☆ امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ	1000 روپے

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت: 36-کے ماڈل ٹاؤن لاہور 54700، فون 5869501-02-03
فیکس: 5834000 ای میل: anjuman@tanzeem.org

ویب سائٹ ایڈریس: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67-گڑھی شاہو، علامہ اقبال روڈ، لاہور
فون: 6316638-6366638 فیکس: 6305110
ای میل: markaz@tanzeem.org

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

✿ **عرضِ احوال** ـــــــ ۳

حافظ عاکف سعید

✿ **تذکرہ و تبصرہ** ـــــــ ۷

عالمی نظامِ خلافت' امارتِ اسلامی افغانستان اور مسلمانانِ پاکستان

ڈاکٹر اسرار احمد

✿ **حکمت دین** ـــــــ ۳۱

دارالاسلام میں مذاہب کفر کی تبلیغ کی اجازت کیوں نہیں؟

سیّد ابوالاعلیٰ مودودی

✿ **اسلامی معاشرت** ـــــــ ۴۱

عورت: اقبال کے کلام میں

سیّد ابوالحسن علی ندوی

✿ **تہذیبوں کی جنگ** (۱) ـــــــ ۵۰

فیصلہ کن مرحلے میں

مولانا غلام اللہ حقانی

✿ **منہاجُ المسلم** (۱۹) ـــــــ ۵۹

قرآن مجید کا ادب

علامہ ابوبکر الجزائری

✿ **آزادیٔ نسواں** ـــــــ ۶۵

آزادیٔ نسواں یا فحاشی کا فروغ

محمد آصف احسان عبدالباقی

✿ **نقطۂ نظر** ـــــــ ۷۶

عائلی قوانین کا قضیہ اور کثرتِ ازواج

نور الامین شاد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض احوال

''حکیمانہ پالیسی'' کا نتیجہ

پاکستان کے افق پر جنگ کے مہیب بادل منڈلا رہے ہیں۔ بھارت جارحیت پر تلا ہوا ہے اور وہ اپنی پوری جنگی قوت کے ساتھ پاکستان سے ملحق سرحد پر براجمان ہو کر گویا ہمیں دعوتِ مبارزت دے رہا ہے۔ وہ جہادِ کشمیر کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کو ہمیشہ کے لئے سرد کرنے کے اس ''نادر'' موقع کو ضائع کرنا نہیں چاہتا۔ اس کا لب ولہجہ ناقابل برداشت حد تک جارحانہ اور سوقیانہ ہو چکا ہے۔ یہود و نصاریٰ کی عالمی سازش اور ہمارے حکمرانوں کی ''حکیمانہ پالیسی'' نے ہمیں نہ صرف ذلت و رسوائی کی آخری حدوں تک پہنچا دیا ہے بلکہ ہماری بقاء و سالمیت کو بھی نہایت مخدوش بنا کر رکھ دیا ہے۔ ہم قومی سلامتی کے نقطۂ نگاہ سے آج جس نازک ترین مقام پر کھڑے ہیں وہ ہر اُس شخص کے لئے شدید کرب و اذیت کا باعث ہے جو قومی و ملی معاملات میں احساس و شعور کی رتی بھی اپنے پاس رکھتا ہو۔ یہود و نصاریٰ کے ساتھ ''ہنود'' کے گٹھ جوڑ نے آج ہمیں ایک بند گلی میں لا کھڑا کیا ہے۔ ایٹمی قوت ہونے کے باوجود ہم بے کسی اور لاچاری کی تصویر بنے بیٹھے ہیں۔ اور یہ سب کچھ ''اے باد صبا' ایں ہمہ آوردۂ تست'' کے مصداق ہماری اپنی عاقبت نااندیشی' غلط حکمت عملی اور سب سے بڑھ کر قیام پاکستان کے مقاصد سے غداری' اللہ کے ساتھ بدعہدی اور دین کے معاملے میں اس منافقانہ طرزِ عمل کا نتیجہ ہے جو ہم گزشتہ ۵۵ برسوں سے اپنائے ہوئے ہیں۔

اس منافقانہ طرزِ عمل کا نقطۂ عروج اور نمایاں ترین مظہر ہماری وہ ''حکیمانہ پالیسی'' ہے جو ہم نے ۱۱ ستمبر کے بعد اختیار کی اور اپنے تئیں ہم نے پاکستان کے مفاد میں بہترین حکمت عملی اختیار کرتے ہوئے اپنی عزت و آبرو' اپنے ایٹمی پروگرام اور اپنے تحفظ کا سامان کیا تھا۔ لیکن آج ایک بار پھر ہم اسی مقام پر کھڑے ہیں اور اپنے نیوکلیئر پروگرام' ایٹمی تنصیبات اور ایٹمی ہتھیاروں کو بچانے کی خاطر اپنے قومی وقار'

عزت و آبرو، جہاد کشمیر حتیٰ کہ کشمیر تک کی قربانی دینے اور ملکی سالمیت کو داؤ پر لگانے پر مجبور ہیں۔ اور ستم بالائے ستم یہ کہ سب کچھ داؤ پر لگانے کے باوجود بھی آج ہماری ایٹمی تنصیبات محفوظ نہیں ہیں۔ گویا وہ ایٹمی صلاحیت جسے کسی بھی ملک کے لئے عزت اور تحفظ کا ضامن گردانا جاتا ہے، ہماری کوتاہیوں اور منافقت کے سبب ہمارے لئے وبالِ جان بن چکی ہے۔ قرآن مجید میں منافقت کا یہی انجام یعنی: ''خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ'' بیان ہوا ہے اور یہی ہے جسے قرآن نے خسرانِ عظیم قرار دیا ہے۔ اعاذنا اللّٰہ من ذلک

قارئین کو یاد ہو گا کہ ۱۱ ستمبر کے بعد ہم نے امریکی دھمکی سے مرعوب ہو کر مرغِ بادنما کی طرح افغانستان کی طالبان حکومت کی حمایت سے منہ موڑا اور ایک خالص اسلامی حکومت کے خلاف کہ جسے روئے زمین پر واحد نمائندہ اسلامی حکومت ہونے کا مقام حاصل تھا، اللہ کے واضح احکامات کو قدموں تلے روندتے اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے ان کے نامنصفانہ اور ظالمانہ اقدام میں ان کی حمایت کا فیصلہ کیا تو ہمارے ''مدبر اور صاحب فہم و فراست'' حکمرانوں نے اپنی اس پالیسی کو انتہائی حکیمانہ اور دانش مندانہ قرار دیتے ہوئے اس کے حق میں جو دلائل دیئے تھے ان میں ایٹمی پروگرام کی حفاظت، کشمیر کاز (یعنی جہادِ کشمیر کا تسلسل) اور ملکی معیشت کا تحفظ سرفہرست تھے۔ اُس وقت بھی اللہ اور اس کے دین کے ساتھ خلوص و اخلاص رکھنے والے طبقات نے حکومت کی اس پالیسی سے شدید اختلافات کرتے ہوئے یہ موقف اختیار کیا تھا کہ جن خدشات کے پیش نظر امریکی حمایت کا فیصلہ کیا گیا اور دین سے غداری کے مرتکب ہو کر اللہ کی ناراضگی مول لی گئی ہے، وہ آج نہیں تو کل، ایک مجسم حقیقت بن کر لازمی طور پر سامنے آ کر رہیں گے۔ لہٰذا مناسب یہی ہے کہ اللہ اور اس کے دین کے ساتھ وفاداری پر مبنی پالیسی اختیار کی جائے تا کہ اللہ کی نصرت سے محرومی ہمارا مقدر نہ بنے۔ اس لئے کہ وہ عالمی طاغوتی طاقتیں جو اسامہ بن لادن اور اس کی تنظیم القاعدہ کے خلاف کارروائی کی آڑ میں افغانستان پر حملہ آور ہوئی ہیں ان کا اصل ٹارگٹ اسلام ہے، چنانچہ افغانستان میں طالبان کی اسلامی حکومت کو ختم کرنے کے

ساتھ ساتھ تمام جہادی قوتوں کو کچلنا اور بالخصوص پاکستان کی ایٹمی تنصیبات اور ہتھیاروں کو تباہ و برباد کر کے اسے ایٹمی صلاحیت سے محروم کرنا ان کی ترجیح اوّل ہے۔

تین ماہ کے اندر اندر آج وہ تمام خدشات ایک مجسم حقیقت بن کر ہمارے سامنے ہیں اور ہماری ان تمناؤں کا منہ چڑا رہے ہیں جن کی ایک خیالی جنت ہمارے صدر صاحب اور ان کی ہاں میں ہاں ملانے اور ان کی اس ''حکیمانہ پالیسی'' کی شان میں قصیدے کہنے بلکہ قوالی کرنے والے نام نہاد دانشوروں نے اپنے ذہنوں میں بسائی ہوئی تھی۔ ہم نے اللہ کو ناراض کر کے جن چند ''دنیوی فوائد'' کے حصول کو مقدم رکھا تھا ان سے محرومی شاید ہمارا مقدر بن چکی ہے۔ اقتصادی خوشحالی کے خواب تو پہلے ہی چکنا چور ہو چکے ہیں' جس کا اعتراف کرنے پر ہمارے نہایت قابل اور دانا وزیرِخزانہ جناب شوکت عزیز بھی مجبور ہوئے کہ جو اغلباً پاکستان میں امریکی اور عالمی مالیاتی اداروں کے مفادات کے محافظ بن کر مسلط کئے گئے ہیں' اب نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ جہادِ کشمیر سے ہی نہیں مطالبۂ کشمیر سے دستبرداری پر بھی ہم مجبور کر دیئے گئے ہیں اور ہماری ایٹمی تنصیبات آج شدید ترین خطرات سے دوچار ہیں۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ ''بکرے کی ماں آخر کب تک خیر منائے گی'' ـــــ ہماری بدنصیبی ملاحظہ ہو کہ ہمارے ازلی دشمن کے ہاتھوں ہماری ناک رگڑوانے اور ہمیں ذلیل و رسوا کرنے کا اصل ذمہ دار وہی امریکہ ہے جسے ہم نے اپنا ''دوست اور سرپرست'' قرار دیا اور جس کی خاطر ہم نے اپنے مسلمان افغان بھائیوں اور طالبان حکومت کا خون کیا اور اللہ کے غضب کو دعوت دی ـــــ سچی بات یہ ہے کہ ہم نے اس معاملے میں سو پیاز بھی کھائے اور سو جوتے بھی ہمارا مقدر بنے۔ ہم اگر قوم یونس کی طرح اب بھی خلوص دل سے توبہ کریں اور اپنا قبلہ درست کرتے ہوئے اللہ اور اس کے دین کے ساتھ وفاداری پر کاربند ہو جائیں تو شاید کہ اللہ کی رحمت ہمارے شاملِ حال ہو جائے اور ہم اُس انجامِ بد سے بچ جائیں جو اب تقدیرِ مبرم کی صورت میں ہمارے سروں پر معلق دکھائی دیتا ہے۔

پاکستان کو درپیش موجودہ سنگین حالات کے حوالے سے امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ نے گزشتہ خطابِ جمعہ میں جن خیالات کا اظہار فرمایا تھا ان کا خلاصہ

ذیل میں ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے:

''موجودہ حالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ پاک بھارت جنگ ہو کر رہے گی کیونکہ اس بار جتنے جنگی اقدامات ہوئے ہیں پاک و ہند کی پوری تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ جس طرح بھارت نے اپنی تمام فوج' میزائل اور ٹینک پاکستان کی سرحد پر لا کر کھڑے کئے ہیں' اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ جنگی جنون میں بری طرح مبتلا ہے اور حالات اس طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ اس بار وہ آزاد کشمیر پر ضرور حملہ آور ہوگا' جبکہ باقی سرحد پر اس کی فوجی تیاری کا مقصد بظاہر یہ نظر آتا ہے کہ پاکستان کسی اور طرف سے انڈیا پر حملہ نہ کر سکے۔ جہاں تک ڈیٹرنٹ کا سوال ہے اس کا استعمال اتنا آسان کام نہیں' کیونکہ اگر ہمارے پاس ایٹم بم ہے تو بھارت ہم سے پہلے ایٹمی طاقت بن چکا تھا۔ اس صورت میں ایٹم بم کے استعمال کا مطلب برصغیر پاک و ہند کی مکمل تباہی ہوگا۔ ممکن ہے اس بربادی سے ہندوستان کا کچھ حصہ محفوظ بھی رہ جائے لیکن پاکستان کا کچھ نہیں بچے گا۔

بھارت یہ سب کچھ امریکہ کی شہ پر کر رہا ہے۔ تاہم بھارت اس جنگ سے صرف اسی صورت باز رہ سکتا ہے جبکہ پاکستان اس کی خواہش کے مطابق کشمیر سے دستبرداری کا اعلان کر دے اور کشمیر میں برسرپیکار جہادی تنظیموں کو حکومت پاکستان فی الواقع کنٹرول کر کے دنیا کو واضح ثبوت فراہم کر دے۔ اگرچہ ایسا کرنا پاکستان کے حق میں نہیں لیکن حالات ایسے نظر آتے ہیں کہ شاید ہماری حکومت یہ بھی کر گزرے۔ امیر تنظیم نے کہا کہ اگر ہم افغانستان کے معاملہ میں امریکہ کے سامنے ڈٹ گئے ہوتے کہ پہلے ثبوت اور دلیل فراہم کرو تو دنیا بھی ہمارے اس موقف کی حمایت کرتی اور آج صورت حال بالکل مختلف ہوتی۔ لیکن ہم نے امریکہ سے افغانستان کے معاملے میں ثبوت نہ مانگ کر انڈیا کو خود پاکستان پر حملے کی دلیل فراہم کر دی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہو سکتا ہے ہمارا آخری وقت قریب ہو یا ماضی میں پیدا ہونے والے جنگ کے دوسرے مواقع کی طرح یہ جنگ بھی ٹل جائے اور اللہ ہمیں اصلاح احوال کے لئے مہلت عطا فرما دے۔ اس صورت میں ہمیں اللہ سے دعا کرنی چاہئے کہ وہ ہمیں اس مہلت سے صحیح فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔''

تذکرہ و تبصرہ

ڈاکٹر اسرار احمد

عالمی نظامِ خلافت کے قیام کا امکان

افغانستان اور پاکستان کے حالات کے تناظر میں ایک تقابلی جائزہ

امیر تنظیم اسلامی کا زیر نظر خطاب جمعہ افغانستان کے حالیہ بحران اور امریکی حملے سے کم و بیش دو ماہ قبل ۳ راگست ۲۰۰۱ء کا ہے۔ جبکہ ابھی امارت اسلامیہ افغانستان نہ صرف پورے طور پر قائم تھی بلکہ اپنے استحکام کی جانب محوِ سفر تھی۔ چنانچہ پاکستان کے بعض سنجیدہ اور مخلص دینی طبقات میں یہ خیال زور پکڑ رہا تھا کہ پاکستان کے دینی عناصر کو ملاّ عمر مجاہد سے بیعت کر لینی چاہئے اور پاکستان میں اسلامی انقلاب کی خاطر کی جانے والی مساعی کو پورے طور پر امیر المومنین افغانستان کے تابع کر دینا چاہئے ــــ اس تناظر میں امیر تنظیم کا یہ خطاب ایک خصوصی اہمیت کا حامل ہے جس کی معنویت آج کے حالات میں بہتر طور پر اجاگر ہوئی ہے۔ (ادارہ)

مجھے کامل یقین ہے کہ دنیا کے خاتمے سے قبل کل روئے ارضی پر اللہ کا دین نافذ ہو کر رہے گا۔ اس ضمن میں قرآن مجید میں جو صغریٰ کبریٰ وارد ہوا ہے اس کا نتیجہ یہی نکلتا ہے۔

آنحضور ﷺ کا مقصد بعثت

قرآن حکیم میں حضور ﷺ کی بعثت مبارکہ کے ضمن میں تین مرتبہ یہ الفاظ آئے ہیں:

﴿هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۝﴾ (التوبۃ:۳۳، الفتح:۲۸، الصف:۹)

''وہی (اللہ) ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو الہدیٰ اور دین حق دے کر تاکہ اسے کل جنس دین پر غالب کر دے''۔

گویا کہ آنحضور ﷺ کی بعثت کا مقصد غلبہ دین ہے۔

قرآن مجید میں یہ بات پانچ مرتبہ آئی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی بعثت پوری نوعِ انسانی کے لئے ہے۔ سب سے زیادہ صراحت کے ساتھ یہ مضمون سورۂ سبا میں آیا ہے:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ۝﴾ (آیت ۲۸)

''اے نبیؐ! ہم نے آپؐ کو نہیں بھیجا مگر پوری نوعِ انسانی کے لئے خوشخبری دینے والا اور خبردار کرنے والا' لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں''۔

اب اس صغریٰ کبریٰ کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کی بعثت کا مقصد اس وقت مکمل ہوگا جب کل عالم انسانیت پر اللہ کا دین غالب آ جائے گا۔ محمد رسول اللہ ﷺ نے اس کی واضح خبریں دی ہیں اور ہم نے ''نوید خلافت'' کے عنوان سے ان احادیث پر مشتمل ایک چار ورقہ لاکھوں کی تعداد میں شائع کیا ہے۔

دوسری بات یہ کہ اس کا بالفعل آغاز عالمِ عرب سے ہوگا' خاص طور پر عالمی سطح پر اس کا نقطۂ آغاز وہی سرزمین عرب ہوگی جو اس دین محمدی کا اصل وطن ہے۔ بقول مولانا حالی کے ؎

جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے!

اور یہ حضرت امام مہدی کے دست مبارک سے ہوگا۔ پھر عالمی سطح پر اس کی جو توسیع ہوگی وہ حضرت عیسیٰ ابن مریم سلام علیہما کے ذریعے سے ہوگی۔ یہ مضمون میں اپنی متعدد تقاریر میں تفصیلاً بیان کر چکا ہوں۔

اسلام کی نشاۃ ثانیہ میں مشرق کا کردار

اس ضمن میں تیسرا نکتہ یہ ہے کہ احادیث نبویہ میں یہ خبر وارد ہے کہ جزیرہ نمائے عرب میں حضرت مہدی کی حکومت قائم کرنے کے لئے عرب کے مشرق میں واقع کسی ملک سے فوجیں جائیں گی' اور پھر خراسان کے علاقے سے وہ فوجیں جائیں گی جو حضرت عیسیٰ ابن مریم کے ساتھ ہو کر دجال اور اس کے لشکر کے خلاف جنگ کریں گی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عرب پر حضرت مہدی کی حکومت قائم ہونے سے پہلے عرب کے مشرقی جانب کسی علاقے میں اسلامی نظام قائم ہو چکا ہوگا۔ تبھی تو وہاں سے فوجیں جائیں گی جو حضرت مہدی کی حکومت کو قائم کریں گی اور مستحکم کریں گی۔ اور یروشلم جو پہلے ۱۰۹۹ء سے ۱۱۸۷ء تک عیسائیوں کے قبضے میں رہا اور اسے واپس لیا تھا صلاح الدین ایوبی نے' ۱۹۶۷ء میں پھر مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل کر یہودیوں کے

قبضے میں چلا گیا تو اسے واپس لینے کے لئے فوجیں خراسان کے علاقے سے آئیں گی۔ گویا کہ ان علاقوں کے اندر پہلے سے اسلامی حکومت قائم ہو چکی ہوگی۔

اب اگر ہم عرب کے مشرقی ممالک کا جائزہ لیں تو ویسے تو اِن میں انڈونیشیا بھی ہے' ملائیشیا بھی ہے' بنگلہ دیش بھی ہے' لیکن جو خالص (Solid) مسلم آبادی کے علاقے ہیں وہ تین ملک ہیں' ایران' افغانستان اور پاکستان۔ اس کے علاوہ بھارت میں مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد آباد ہے کہ پاکستان' افغانستان اور ایران تینوں ممالک کے مسلمانوں کی تعداد جمع کی جائے تو شاید یہ تعداد صرف بھارت میں ہو' لیکن ظاہر بات ہے کہ وہ ہندوؤں کی یا غیر مسلموں کی ایک عظیم اکثریت کے تلے دبے ہوئے ہیں۔ البتہ یہ تین ممالک (پاکستان' افغانستان اور ایران) خالص مسلم آبادی کے حامل ہیں اور ایک دوسرے سے جڑے ہوئے بھی ہیں۔

ایرانی انقلاب اور اس کے اثرات مابعد

اب ان تین ممالک کا جائزہ لیجئے۔ سب سے پہلے ایران میں آج سے بائیس سال قبل ایک عظیم انقلاب برپا ہوا جس کے نتیجے میں وہاں شیعہ علماء کی حکومت قائم ہو گئی۔ جب یہ واقعہ ظہور پذیر ہوا تھا تو ایک دفعہ دنیا ہل گئی تھی' مغرب کانپ گیا تھا کہ The Militant Islam on the march ——— نیوز ویک اور ٹائمز نے خصوصی ضخیم شمارے شائع کئے تھے کہ مسلم فنڈامنٹلزم کا سیلاب آ گیا ہے' یہ دنیا کو بہالے جائے گا۔ اس انقلاب کو ایران سے پاکستان برآمد کرنے کی کوشش بھی کی گئی تھی جو ناکام ہوگئی' البتہ اس کوشش کے باقیات سیئات میں سے ابھی تک شیعہ سنی منافرت اور اس کی بنیاد پر ہونے والی دہشت گردی یہاں موجود ہے۔ سپاہ صحابہ کا وجود میں آنا اسی کوشش کا ردعمل تھا جس کے انتہا پسند لوگ پھر ''لشکر جھنگوی'' کی شکل میں جمع ہو گئے۔ دوسری طرف ''سپاہ محمد'' قائم ہوگئی اور ان کے درمیان کشت وخون کا معاملہ مسلسل چل رہا ہے۔ یہ اصل میں اسی کے باقیات سیئات ہیں۔

اس کا تازہ ترین مظہر یہ سامنے آیا ہے اور میں بڑے افسوس کے ساتھ کہہ رہا

ہوں کہ افغانستان پر اقوام متحدہ نے جو پابندیاں عائد کی ہیں ان کی مانیٹرنگ کے لئے پاک افغان سرحد پر مانیٹرنگ ٹیموں کی تعیناتی کی ایرانی حکومت نے تائید کی ہے اور اس پر خوشی کا اظہار کیا ہے۔ بہرحال عین ممکن ہے کہ صدر خاتمی جو اپنے چار سال پورے کر چکنے کے بعد اب دوبارہ چار سال کے لئے صدر بنے ہیں' ان کی سرکردگی میں ایران میں لبرل ازم کا جو پراسیس شروع ہوا ہے' اس کے نتیجے میں کٹر شیعہ اعتقادات کچھ نرم پڑیں' ڈھیلے پڑیں اور dilute ہو جائیں۔ میں جب ایران گیا تھا تو میں وہاں خود بھی مشاہدہ کر کے آیا تھا کہ یونیورسٹیوں کے ماحول میں بعض پروفیسر حضرات سے جو ملاقات ہوئی تو ان میں وہ کٹر شیعہ عقائد موجود نہیں ہیں' بلکہ اس اعتبار سے وہاں خاصا لبرل ازم ہے۔ لبرل ازم کے اگرچہ بہت سے خراب پہلو بھی ہو سکتے ہیں' لیکن اس کا ایک بہتر پہلو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کٹر شیعہ عقائد کے اندر کچھ dilution پیدا ہو جائے۔ پھر ہو سکتا ہے کہ عرب میں حضرت مہدی کی حکومت کے قیام اور پھر حضرت عیسیٰ ابن مریم کے ذریعے سے اس کی عالمی سطح پر توسیع کے پراسیس میں ایران بھی کچھ حصہ لے۔ خاص طور پر مجھے ایران کے شمال مشرقی صوبے خراسان سے بڑی امید وابستہ ہے جو افغانستان سے بالکل متصل ہے۔ میرا گمان یہ ہے کہ یہ علاقہ حضور ﷺ کی ان پیشین گوئیوں کا مصداق ہونے میں افغانستان اور پاکستان کے ساتھ ضرور شامل ہو گا۔ واللہ اعلم!

افغانستان۔ روشنی کی کرن

ان تین ممالک میں سے دوسرا ملک افغانستان ہے۔ یوں سمجھئے کہ اس میں تقریباً بائیس برس کے دوران تبدیلی در تبدیلی کا عمل جاری تھا' خون کے بعد خون' توڑ پھوڑ اور مختلف قسم کی خانہ جنگیوں کے بعد اب سے لگ بھگ پانچ چھ سال قبل وہاں پر خالص سنی حنفی علماء کی حکومت قائم ہو گئی ہے اور اب افغانستان کا ۹۰' ۹۵ فیصد علاقہ ان کے زیر انتظام ہے۔ انہیں پوری طرح تمکن حاصل ہے اور وہاں پر کامل امن و امان قائم ہو چکا ہے۔ لہٰذا یہاں سے حضور ﷺ کی پیشین گوئیوں میں جو خوشخبری نظر آتی ہے تو گمان

غالب اور اُمید واثق ہے کہ افغانستان اس کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ پورا عالمِ کفر اُس کے خلاف ہے' اس کے درپے ہو چکا ہے' اس کے خلاف متحد ہے۔ امریکہ اور روس کے درمیان سوطرح کے اختلافات ہیں' لیکن طالبان اور افغانستان کی مخالفت قدرے مشترک ہے۔ بھارت کی اسلام دشمنی تو کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں' بدقسمتی سے ایران بھی افغانستان کے خلاف سرگرمیوں میں بھرپور حصّہ لے رہا ہے۔ اسی طرح وسط ایشیا کی ترکستانی ریاستوں کا معاملہ ہے جو اگرچہ سوویت یونین کی تحلیل کے بعد آزاد ہو چکی ہیں لیکن چونکہ ان کی برین واشنگ کمیونزم ہی کے اعتبار سے ہوئی ہے لہٰذا وہ بھی اکثر و بیشتر طالبان مخالف ہیں۔ درحقیقت اس ضمن میں جو کفر کا اجماع ہے یہ بھی گویا کہ اس کا ثبوت ہے کہ یہاں سے اسلام ابھر رہا ہے اور آگے بڑھ رہا ہے' جس سے باطل کو اور شیطانی قوتوں کو شدید خطرات لاحق ہو گئے ہیں۔ میں جب نوٹس مرتب کر رہا تھا تو مجھے یہ شعر یاد آ گیا ؎

کیا ڈر ہے اگر ساری خدائی ہو مخالف
کافی ہے اگر ایک خدا میرے لئے ہے!

میں سمجھتا ہوں کہ یہ شعر افغانستان کی طالبان حکومت پر صدفی صد راست آتا ہے۔

پاکستان۔ ماضی اور حال کے آئینے میں

افغانستان کے مسئلے کو یہاں پر فی الحال چھوڑتے ہوئے اب آیئے پاکستان کی طرف۔ تاریخی اعتبار سے اسلام کی نشاۃ ثانیہ' اسلام کے احیاء اور نظام خلافت کے قیام کے ضمن میں' سورۃ الفتح میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں وارد الفاظ ﴿وَكَانُوْا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا﴾ یعنی ''وہ اس کے زیادہ حق دار ہیں اور اہل بھی ہیں'' کے مصداق سب سے بڑھ کر حق دار اور سب سے بڑھ کر اہل تو پاکستان ہے' لیکن اس ضمن میں یہاں پر بالفعل پیش رفت نہ ہونے کے برابر ہے' جسے آپ صفر بھی کہہ سکتے ہیں۔ میں جو کہتا ہوں کہ تاریخی اعتبار سے یہ اس کا سب سے بڑا حق دار بھی تھا اور اہل بھی' تو اس کے دلائل کیا ہیں؟ یہ میں بارہا بیان کر چکا ہوں۔ چار سو سال کے مجددین کی مساعی کا یہ وارث ہے۔ پھر چودھویں صدی ہجری میں شیخ الہند کے بعد علامہ اقبال' ابوالکلام آزاد'

مولانا مودودی اور مولانا الیاس (رحمۃ اللہ علیہم) ان سب کی مساعی کا بھی یہی وارث ہے۔ جب خلافت کے خلاف سازشیں شروع ہوئیں تو عظیم ترین ''تحریک خلافت'' ہندوستان میں چلی۔ پھر آزادی کی تحریکیں شروع ہوئیں تو پوری دنیا میں صرف یہی ایک تحریک آزادی تھی جو اسلام کے نام پر برپا ہوئی کہ ''پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ''۔ پھر یہاں قرارداد مقاصد پاس ہوئی جو سیکولرزم کے خلاف اعلان بغاوت تھی۔ سیکولرزم میں چرچ اور سٹیٹ علیحدہ ہوتی ہیں۔ اسلام میں حاکمیت صرف اللہ کی اور دین و دنیا ایک ہیں۔ پھر دستور میں اور بھی کئی معاملات آئے ہیں۔ اسلامی نظریاتی کونسل قائم ہوئی جو ایک دستوری ادارہ ہے اور اس نے بہت کام کیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس کی سفارشات پر عمل نہیں ہوا' تعمیل نہیں ہوئی' ان کا نفاذ نہیں ہوا۔ فیڈرل شریعت کورٹ قائم ہوئی جو ایک بہت بڑا لینڈ مارک ہے' جس نے اتنا عظیم کارنامہ سرانجام دیا جو دنیائے اسلام کے اندر ایک منفرد معاملہ ہے کہ کاروباری سود اور بینک انٹرسٹ کو بھی ربا قرار دے کر حرام مطلق قرار دیا اور سپریم کورٹ سے بھی فیڈرل شریعت کورٹ کے فیصلے کی توثیق ہوئی' اگرچہ عمل نہیں ہوا۔

مذکورہ بالا ساری چیزیں واقعتاً وہ ہیں کہ ﴿وَكَانُوْا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا﴾ کے مصداق پاکستان اس کا سب سے بڑھ کر حق دار اور سب سے بڑھ کر اس کا اہل تھا' لیکن بدقسمتی سے بہت بڑے بڑے لوگوں سے بہت بڑے بڑے blunder ہوئے جس کے نتیجے میں عملاً کوئی پیش رفت نہیں ہو سکی۔ یہاں پر عملاً شکل یہ ہے کہ ''ہنوز دلی دُوراست''۔ اور اس وقت اگرچہ جماعتیں بھی بہت ہیں اور تحریکیں بھی ہیں' لیکن نتیجہ بہرحال صفر ہے۔

اس صورت حال کا ایک منطقی نتیجہ یہ برآمد ہوا ہے کہ یہاں پر دینی عناصر میں عموماً بددلی' مایوسی اور frustration پیدا ہو گئی ہے۔ چنانچہ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا۔ جب انسان میں خود اعتمادی نہیں رہتی تو وہ اِدھر اُدھر دیکھتا ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ ایک زمانے میں پاکستان کے سیکولر اور مذہبی حلقوں میں سے بڑے زور شور کے ساتھ یہ آواز اٹھی تھی کہ پاکستان کو بھی ایک خمینی کی ضرورت ہے۔ یہ لوگ کہہ رہے تھے کہ یہاں کا گند کسی خمینی کے بغیر صاف ہی نہیں ہو سکتا۔ لیکن ظاہر بات ہے کہ خمینی ارض

ایران نے پیدا کیا اور ایران میں وہ اپنا کردار ادا کر گیا۔ باہر کی شخصیت کسی جگہ import ہو کر کام نہیں کر سکتی۔ وہ تو اگر کوئی اٹھے تو اسی سرزمین سے اٹھے۔ لیکن ؎

نہ اٹھا پھر کوئی رومی عجم کے لالہ زاروں سے
وہی آب وگل ایراں وہی تبریز ہے ساقی!

اور اب ہمارے بعض مذہبی عناصر میں یہ خیال بہت عام ہو گیا ہے کہ پاکستان میں بھی طالبان کے طرز کا انقلاب آنا چاہئے اور اسی کا ایک اہم مظہر یہ ہے کہ بہت سے لوگ سوچتے ہیں کہ ہمیں ملا عمر کے ہاتھ پر بیعت کر لینی چاہئے۔ یہ حضرات بھول جاتے ہیں کہ ہر ملک کے اپنے مخصوص حالات ہوتے ہیں۔ ایران سے میں اس لئے صرف نظر کر رہا ہوں کہ وہ ہم سے ذرا دُور کا معاملہ ہے' لیکن افغانستان تو ہماری گود میں ہے۔ آپ نقشہ دیکھیں تو واقعتاً ایسے محسوس ہوتا ہے گویا افغانستان پاکستان کی گود میں ہے۔ افغانستان کے لئے میں نے ایک اور تمثیل بھی دی تھی۔ نقشے میں پاکستان شمال مشرق سے جنوب مغرب کی طرف آتا ہے' جبکہ ایران اس کے برعکس شمال مغرب سے جنوب مشرق کی طرف آتا ہے اور دونوں کے درمیان افغانستان ایسے رکھا ہوا ہے جیسے رحل کے اندر قرآن شریف رکھا ہوا ہو۔

پاکستان اور افغانستان کے حالات کا تقابل

میں اس وقت پاکستان کے حالات کا افغانستان کے ساتھ تفصیل سے موازنہ کرنا چاہتا ہوں تاکہ یہ جو رجحان پیدا ہوا ہے اس کا ہم صحیح طور سے تجزیہ کر کے ٹھیک رائے تک پہنچ سکیں۔ دیکھیں یہ جو موجودہ افغانستان ہے یہ بہت پرانا نہیں ہے۔ ایرانی کہتے ہیں کہ افغانستان ہمیشہ سے ہمارے ملک کا حصہ رہا ہے اور ان کا دعویٰ غلط نہیں ہے۔ افغانستان ماضی میں یا ایران کا حصہ رہا ہے یا ہندوستان کا حصہ رہا ہے' افغانستان کے نام سے علیحدہ ملک دنیا میں کبھی بھی نہیں رہا۔ موجودہ افغانستان احمد شاہ ابدالی کے دور میں قائم ہوا ہے۔ احمد شاہ ابدالی جن کی قبر قندھار میں ہے افغانستان میں احمد شاہ بابا کہلاتے ہیں۔ وہ بابائے افغانستان تھے۔ انہوں نے یہ افغانستان جن حدود کے ساتھ دنیا میں آج موجود ہے' قائم کیا تھا۔

ظاہر شاہ دَور کا افغانستان

گزشتہ بیس بائیس برس میں ہونے والی پے در پے تبدیلیوں سے پہلے افغانستان میں ظاہر شاہ کی حکومت تھی۔ اس کے چھ نمایاں اوصاف (salient features) یہ تھے:

۱) نچلی سطح پر قبائلی نظام اور بالاتر سطح پر شہنشاہی نظام بہت مستحکم تھا۔ یعنی قبائل کی بنیاد پر شہنشاہیت یا بادشاہت مضبوطی سے قائم تھی۔

۲) افغانستان کے سوویت یونین (USSR) سے بڑے گہرے مراسم تھے اور ان کے یہاں تعلیم یافتہ لوگ اکثر و بیشتر روس سے پڑھ کر آتے تھے' جیسے ہمارے ہاں امریکہ اور برطانیہ سے پڑھ کر آتے ہیں۔ روس نے افغانستان میں بڑے ترقیاتی کام بھی کیے۔ وہاں پر بہت اعلیٰ سڑکیں بنائیں۔

۳) افغانستان کی بھارت کے ساتھ بڑی گہری دوستی رہی ہے' جبکہ پاکستان کے ساتھ شدید دشمنی تھی۔ اگرچہ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں انہوں نے شرافت کا ثبوت دیا تھا کہ انہوں نے بھی مسلمان ماؤں کا دودھ پیا ہوا ہے۔ انہوں نے پاکستان کو یقین دلایا تھا کہ آپ مغرب کی طرف سے بالکل مطمئن رہیں' ہم آپ کی پیٹھ میں چھرا نہیں گھونپیں گے' آپ بھارت سے یکسو ہو کر نمٹیں۔ لیکن آپ کو یاد ہوگا کہ پاکستان کے اقوامِ متحدہ کا ممبر بننے کے خلاف پوری دنیا میں صرف ایک ووٹ تھا اور وہ افغانستان کا تھا۔ اصل میں پاک و ہند کی جو خدائی خدمت گار تحریک تھی وہ قیامِ پاکستان کے بعد یہاں تو پنپ نہیں سکی۔ یہاں پر اسے خان عبد القیوم خان نے کچل دیا تھا۔ ویسے بھی پاکستان کے بننے سے وہ مردہ ہوگئی تھی' لیکن وہ افغانستان میں انڈے بچے دیتی رہی اور ''پختونستان'' کے نام سے ایک سٹنٹ مسلسل افغانستان میں کھڑا رہا اور ہمارے سر پر وہ تلوار لٹکتی رہی۔ یہ اصل میں اسی تحریکی ربط و تعلق کا نتیجہ تھا کہ خدائی خدمت گار تحریک کے بابائے اعظم خان عبد الغفار خان نے دفن ہونا بھی افغانستان میں پسند کیا تھا' پاکستان میں نہیں۔ چنانچہ وہ جلال آباد میں مدفون ہیں' ان کا مقبرہ وہاں [illegible]

۴) جہاں تک افغانستان کے دارالحکومت کابل کا تعلق ہے وہ مغربی تہذیب میں پوری طرح ڈوبا ہوا تھا۔ پورے طور پر وہی تہذیب' وہی فحاشی' اور وہی عریانی' غرضیکہ تمام چیزیں ہی جوں کی توں تھیں۔ گویا آپ اُس دَور کے کابل کا پیرس کے ساتھ تقابل کر سکتے ہیں۔

۵) بیوروکریسی اور اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقات میں کمیونسٹوں کا نفوذ بہت گہرا تھا۔ اور میں بتا چکا ہوں کہ وہ روس سے تعلیم حاصل کر کے آتے تھے۔

۶) آخری بات یہ کہ وہاں دو مضبوط سیاسی جماعتیں خلق اور پرچم کے نام سے تھیں' جو دونوں کمیونسٹ تھیں۔ ان کے علاوہ کوئی تیسری سیاسی جماعت وہاں سرے سے تھی ہی نہیں۔ یہ حالات تھے آج سے بائیس برس قبل۔

بادشاہت کا خاتمہ اور تبدیلیوں کا چکر

اس کے بعد جو تبدیلیوں کا چکر چلا ہے' آپ کو معلوم ہے کہ سب سے پہلے داؤد نے ظاہر شاہ کا تختہ الٹا۔ لیکن اس کے بعد Communist Coup ہوا۔ پھر ایک coup کے بعد دوسرا' دوسرے کے بعد تیسرا اور تیسرے کے بعد چوتھا ہوا۔ کبھی کوئی محمد امین' کبھی کوئی ببرک کارمل' کبھی کوئی نجیب اللہ' کبھی کوئی اور' یکے بعد دیگرے آتے رہے لیکن کمیونسٹوں کا نظام وہاں پر مستحکم نہیں ہو سکا۔ اس موقع پر کچھ علماء کی طرف سے مزاحمت ہوئی لیکن اسے سختی کے ساتھ کچل دیا گیا۔ لیکن کمیونسٹوں کی آپس کی خانہ جنگی سے تنگ آ کر روس نے افغانستان پر براہِ راست قبضے کا فیصلہ کیا اور ایک بہت بڑا اقدم اٹھالیا' جو اُس کی بہت بڑی غلطی تھی۔

روسی افواج کی آمد اور جہادِ حریت

افغانستان میں روسی افواج کے داخل ہونے پر وہاں شدید ردعمل پیدا ہوا۔ آزادی افغان قوم کی گھٹی میں ہے۔ چنانچہ پوری قوم اٹھ کھڑی ہوئی' تمام علماء نے جہاد کا فتویٰ دے دیا' کیونکہ اب ایک کافر حکومت قبضہ کرنے کے لئے آ گئی تھی' لہٰذا اس

فی سبیل اللہ نہیں۔ البتہ اس جہاد میں ایسے افراد بھی شامل تھے اور ہوسکتا ہے کہ ان کی کافی بڑی تعداد ہو کہ جن کی نیت اللہ کے دین کو قائم کرنے کی تھی۔ وہ اپنی نیت کے حساب سے اللہ کے ہاں اجر پائیں گے' لیکن بحیثیت مجموعی یہ جہادِ حریت تھا' جو جائز ہے اور جس کے لئے جان دینے والا مسلمان شہادت کا درجہ پاتا ہے' لیکن جہاد فی سبیل اللہ وہ نہیں تھا۔ اس جہاد میں دس لاکھ افغان قتل ہوئے۔

امریکہ نے اس سنہری موقع سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور روس سے اپنی شکستوں کا بدلہ لیا۔ خاص طور پر امریکہ کو ویت نام میں روس سے گھبرا کر جو بھاگنا پڑا تھا اس کا بدلہ لیا اور پاکستان کے ذریعے سے افغانستان کی بھرپور امداد کی۔ یہ بھرپور امداد مالی بھی تھی اور ہتھیاروں کی صورت میں بھی تھی' یہاں تک کہ افغان مجاہدین کو سٹنگر میزائل تک مہیا کئے گئے جو ایک بالکل نئی شے تھے۔ نتیجہ کیا ہوا کہ سوویت یونین کو شکست فاش ہوئی۔ افغانستان سے روسی افواج کے انخلا کا منظر میں نے ٹی وی پر دیکھا تھا کہ فوج دریائے آمو کو اس طرح سے عبور کر رہی ہے جیسے کوئی دُم دبا کر جا رہا ہو۔ روسی فوج پورے دبدبے اور جوش و خروش کے ساتھ آئی تھی کہ یہ افغانستان تر نوالہ ثابت ہوگا اور ہم اسے بڑی آسانی سے ہڑپ کر لیں گے' لیکن انہیں بہت بے آبرو ہو کر یہاں سے پسپائی اختیار کرنی پڑی۔ اور پھر کچھ ہی عرصے بعد ایک دوسرے نتیجے کے طور پر سوویت یونین بھی تحلیل ہوگیا۔

مجاہدین کی باہمی آویزش اور اس کے نتائج

روسی افواج کے انخلاء کے بعد اب چوتھا دور شروع ہوا جس میں مجاہدین کی باہمی خانہ جنگی شروع ہوگئی اور اس خانہ جنگی نے بدترین شکل اختیار کی۔ کابل کی اصل تباہی اسی خانہ جنگی کے دوران ہوئی اور اس میں لاکھوں مسلمان قتل ہوئے۔ اب روسی تو کوئی نہیں تھا' ایک دوسرے کے ہاتھ سے قتل ہوئے۔ اور وہ افغان جہاد جسے ''جہاد فی سبیل اللہ'' باور کرایا جا رہا تھا اس کے بارے میں دنیا کو یہ طعنہ دینے کا موقع ملا کہ یہ جہاد فی سبیل اللہ نہیں فساد فی سبیل اللہ ہو رہا ہے۔ اور یہ ثبوت ہے اس کا کہ وہ جہاد فی سبیل

اللہ نہیں تھا' ورنہ یہ صورت نہ ہوتی' جہاد فی سبیل اللہ کا نتیجہ یہ نہیں نکلا کرتا۔

بہر حال اس خانہ جنگی کے دو نتیجے نکلے۔ ایک یہ کہ دارالحکومت کابل تو تباہ و برباد ہو گیا' تہس نہس ہو گیا۔ یہ تباہی و بربادی اب بھی وہاں دیکھی جا سکتی ہے اور ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ آئے ہیں' دوسرے یہ کہ ہر جگہ جو جونیئر لوکل کمانڈر تھے انہوں نے اپنی اپنی چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کر لیں' قدم قدم پر پھاٹک لگ گئے اور انہوں نے آنے جانے والوں سے ٹیکس کی وصولی شروع کر دی۔ مثال کے طور پر آپ کو اگر قندھار سے کوئٹہ کی طرف جانا ہے تو درمیان میں دس پھاٹک آ جائیں گے اور ہر پھاٹک پر آپ کو کچھ نہ کچھ دے کر جانا ہے۔ اور یہ طوائف الملوکی وہاں شروع ہوئی تو اَخلاقی اعتبار سے بھی انتہائی گری ہوئی حرکتیں کی گئیں۔ عوام کو بری طرح لوٹا' کھسوٹا گیا اور ظلم وتشدد کا نشانہ بنایا گیا۔

طالبان کا اسلامی انقلاب

اس پر پھر پانچواں مرحلہ شروع ہوا۔ اسی جہاد کے کچھ مخلص اور نیک لیکن صف دوم یا سوم کے جو کمانڈرز تھے انہوں نے اصلاح کا بیڑا اٹھایا جن میں ملا محمد عمر اور ملا محمد ربانی جو حال ہی میں فوت ہو گئے ہیں' یہ ذرا زیادہ نمایاں لوگ ہیں۔ ملا عمر نے initiative لیا اور کھڑے ہو گئے کہ یہ اصلاح کرنی چاہئے ورنہ تو افغان سارے کے سارے ہلاک و برباد ہو جائیں گے۔ چنانچہ انہوں نے دینی مدارس کے زیر تعلیم یا فارغ التحصیل طلبہ کی مدد سے ہتھیار رکھوانے اور جگہ جگہ قائم پھاٹک ختم کرانے کے لئے تحریک شروع کی۔ اس تحریک کو پاکستان نے بھی مدد دی اور امریکہ نے بھی سپورٹ کیا۔ دراصل امریکہ اُن قائدین سے زیادہ خطرات محسوس کرتا تھا جو ماڈرن بنیاد پرست ہیں' مثلاً حکمت یار' احمد شاہ مسعود اور ربانی وغیرہ کے بارے میں امریکہ کا خیال تھا کہ یہ جدید تعلیم یافتہ لوگ ہیں' یہ تو ہمارے مدمقابل ہو کر کھڑے ہو جائیں گے' جبکہ دینی مدارس کے طالب علموں کو تو ہم سنبھال لیں گے' کچھ نہ کچھ مذہبی چیزیں دے کر انہیں مطمئن کر لیا جائے گا۔ جیسے سعودی عرب ہماری ایک جیب میں ہے دوسری جیب

میں افغانستان بھی آ جائے گا۔ یہ دوسری بات ہوئی کہ ان کی تدبیر الٹی پڑ گئی اور یہی طالبان جو ہیں ان کے لئے سب سے زیادہ بڑا دردسر بن گئے۔ بہرحال عوام بے پناہ طور پر تنگ آ چکے تھے لہٰذا انہوں نے ملا عمر کو اور ان کے ساتھیوں کی تحریک کو خوش آمدید کہا۔ بہت کم مقامات پر جنگ کی نوبت آئی۔ شیعہ علاقوں میں طالبان تحریک کے خلاف بہت شدید مزاحمت کی گئی لہٰذا وہاں شدید جنگیں ہوئیں۔ ایک دو معرکے اور ہوئے ہیں' باقی اکثر جگہوں پر جنگ کی نوبت نہیں آئی۔ لوگوں نے طالبان کو خوش آمدید کہا اور ہتھیار رکھ دیئے۔ اس طرح یہاں پر ایک حکومت قائم ہوگئی اور اب ۹۰ سے ۹۵ فیصد تک کے علاقے پر ایک کٹر سنی حنفی علماء کی حکومت قائم ہے' جس کا نام امارتِ اسلامی افغانستان ہے۔

یہ ہے اس وقت افغانستان کی صورتِ حال۔ لیکن اس کے جو نتائج نکلے ہیں اب ذرا وہ نوٹ کر لیں۔ پہلے یہ جو مسلسل مرحلہ وار پراسیس وہاں چلا ہے اس کے نتیجے میں:

۱) کمیونسٹ عنصر وہاں ختم ہوگیا۔ جو اُن کے elite تھے' ان کے قائدین تھے وہ یا تو مر گئے' ختم ہوگئے یا بھاگ گئے۔ ہاں ان کے یہاں چھوٹے درجے کے سرکاری ملازمین میں کچھ کمیونسٹ عناصر موجود ہیں۔ اب ظاہر بات ہے کہ ایسے لوگ منقار زیر پر ہوں گے۔ وہ کھل کر بات نہیں کر سکتے۔ چنانچہ وہ معاملہ ختم ہوگیا۔

۲) ایک بہت بڑا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ جو مترفین تھے' پیسے والے آزاد خیال لوگ اور ان کے علاوہ سیکولر طبقہ تنگ آ کر ملک کو چھوڑ گیا ہے اور امریکہ' فرانس اور انگلینڈ میں آباد ہوگیا ہے۔ ان کا بہت بڑا طبقہ پاکستان میں پنجے گاڑ کر بیٹھا ہوا ہے۔ پشاور کی کبھی سیر کریں تو معلوم ہوگا کہ آدھا پشاور اس وقت افغانوں کے قبضے میں ہے۔ اسی طرح اسلام آباد کے کئی سیکٹر ایسے ہیں کہ وہاں جایئے تو محسوس ہوگا کہ آپ شاید افغانستان میں آ گئے ہیں۔ پیسے والے لوگوں میں جو مذہبی طبقہ تھا وہ بھی وہاں سے چلا گیا۔ اسی طرح professionals جو ہیں وہ بھی وہاں کے حالات سے بددل ہو کر چلے گئے ہیں۔ چنانچہ ان کی وہاں پر بہت بڑی کمی ہے۔

۳) وہاں نہ فوج رہی نہ بیوروکریسی رہی۔ یہ بڑی بڑی تبدیلیاں ہیں جو اس

پورے عرصے میں ہوئی ہیں ۔اس توڑ پھوڑ کے نتائج کے طور پر وہاں یا تو ''عوام کالانعام'' باقی رہ گئے یا پھر مذہبی طبقہ رہ گیا' علماء رہ گئے اور اُن کے زیر اثر لوگ رہ گئے ۔ یہ حالات تھے کہ طالبان کی تحریک وہاں اس تیزی کے ساتھ بڑھ کر کامیاب ہوگئی ۔اگر وہاں کمیونسٹ موجود ہوتے اور کسی تنظیم کے ساتھ موجود ہوتے' ان کے کوئی اڈے ہوتے اور اگر وہاں فوج بھی مضبوط ہوتی 'آپس کی خانہ جنگی نہ ہو رہی ہوتی' بلکہ مجاہدین نے واقعتاً اپنی حکومت قائم کر کے وہاں اپنی فوج قائم کر لی ہوتی تو طالبان کے لئے کوئی آسان کام نہ تھا کہ وہاں پر نفوذ کرتے ۔طالبان کو تو وہاں ایک خلاء مل گیا۔ یوں سمجھئے میدان خالی مل گیا اور ان میں جو بدامنی تھی اس سے طالبان کے ہاتھوں افغانستان کے عوام کو نجات مل گئی ۔ یہ ان کی کامیابی کا سب سے بڑا راز ہے۔

اس وقت افغانستان کو سارے کا سارے خطرہ باہر سے ہے' اندر سے نہیں ہے۔ باہر کی پوری دنیا ان پر شمالی اتحاد کے ذریعے سے حملہ آور ہے' لہٰذا وہ جنگ طول کھینچ رہی ہے ۔خیال یہ تھا کہ اس موسم گرما میں شمالی اتحاد کو کامل شکست ہو جائے گی اور اس کے قبضے کا خاتمہ ہو جائے گا ۔ ہمارے سابق چیف آف آرمی سٹاف مرزا اسلم بیگ صاحب نے بھی اس پر ایک مضمون لکھا تھا ۔ دوسرے یہ کہ ساری مخالفت اقوام متحدہ کے ذریعے سے ہو رہی تھی اور افغانستان پر پابندیاں عائد کی جا رہی تھیں ۔اس سے واقعتاً وہاں کے لوگوں کے لئے زندگی اجیرن ہو کر رہ گئی ہے ۔ میں بہت خوش ہوا تھا کہ ایران نے تجارت کے لئے اپنے بارڈر کھول دیئے ہیں' لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ یہ اقدام صرف مالی مفاد حاصل کرنے کیلئے تھا ۔ چنانچہ افغانستان کی پوری مارکیٹ پر اس وقت ایران کا قبضہ ہو چکا ہے ۔ سارا مال وہاں کا آ رہا ہے جو افغانستان میں استعمال ہو رہا ہے۔

موجودہ افغان صورتِ حال میں پاکستان کے لئے اندیشہ

پاکستان کے لئے افغانستان کی موجودہ صورت حال میں ایک شدید اندیشہ موجود ہے' اور وہ یہ کہ اس وقت جو این جی اوز اور بیرونی امدادی ادارے وہاں کام کر رہے ہیں وہ افغان عوام کے جذبات کو پاکستان کے خلاف بھڑکا رہے ہیں ۔ وہ اگرچہ روٹی بھی دے رہے ہیں' دوا دارو بھی دے رہے ہیں اور امداد بھی دے رہے ہیں لیکن عوام

کی برین واشنگ بھی کر رہے ہیں۔ ہمارے کچھ ساتھی افغانستان میں زراعت کی بحالی کے لئے کچھ کام کرنا چاہتے ہیں' وہ دو دفعہ وہاں ہو کر آئے ہیں' انہوں نے آ کر خبر دی ہے کہ عام افغان کے دل میں اس وقت پاکستان کے خلاف شدید نفرت پیدا ہو چکی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ سوویت یونین کے خلاف جنگ کر رہے تھے اس وقت آپ نے افغانیوں کے لئے اپنی سرحدیں کھولی ہوئی تھیں' جو چاہے سڑک کراس کرے اور پاکستان میں آ جائے۔ اُس وقت پورے ۳۵ لاکھ مہاجرین کو آپ نے پناہ دی' لیکن اب آپ نے ان پر اپنے دروازے بند کر دیئے ہیں' بلکہ جو لوگ سرحد پر جمع ہو جاتے ہیں ان پر لاٹھی چارج بھی ہوتا ہے اور ان کی سخت بے عزتی بھی کی جاتی ہے۔ ظاہر ہے اس کا ایک ردعمل ہوگا۔ جبکہ اندرونِ خانہ وہ این جی اوز جو ہیں وہ ان کے جذبات کو بھڑکانے بلکہ جلتی پر تیل ڈالنے کا کام کر رہی ہیں۔

ظاہر بات ہے کہ بھوک بہت بُری شے ہے۔ حضور ﷺ کی حدیث ہے: ((کَادَ الْفَقْرُ اَنْ یَّکُوْنَ کُفْرًا)) یعنی فقر تو انسان کو کفر تک پہنچا دیتا ہے۔ یہ فقر اور بھوک افغانستان کے عام لوگوں کو برداشت کرنی پڑ رہی ہے۔ اور ظاہر بات ہے کہ وہاں کے عوام تربیت یافتہ تو ہیں نہیں۔ وہاں ایسا تو نہیں ہوا کہ وہاں عوام کو ذہناً تیار کیا گیا ہو' عملاً تیار کیا گیا ہو اور پھر ایک انقلاب برپا ہوا ہو۔ یہ تو آسمان سے نازل ہونے والی ایک ناگہانی آفت تھی۔ شمال سے روسی فوجوں کا افغانستان میں داخل ہو جانا' پھر اُس کے ردعمل میں جہاد حریت کا شروع ہونا اور پھر اس کے بعد کے حالات کی پوری تفصیل میں نے بیان کر دی ہے' جن کے نتیجے میں طالبان کی حکومت قائم ہوگئی' لیکن عوام تو عام طور پر تربیت یافتہ نہیں ہیں۔ ان کے جذبات کے اندر صحیح دینی حمیت اور غیرت بالعموم موجود نہیں ہے' جبکہ تمام تر آزمائشوں کے باوجود دین کے ساتھ وابستگی اور وفاداری کے لئے تو بڑے پختہ ایمان کی ضرورت ہوتی ہے۔ بہرحال پاکستان کے لئے یہ اندیشہ ہے جو فی الوقت اتنا نمایاں نہیں ہے' ابھی تو سارا خطرہ باہر سے ہے۔

پاکستان کے حالات کا جائزہ

اب اس پس منظر میں آپ پاکستان کا جائزہ لیجئے۔ پاکستان کے حالات

افغانستان کے حالات سے بہت مختلف ہیں' ان میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ پاکستان کے بارے میں اگرچہ کہا جاتا ہے کہ یہ ترقی پذیر ملکوں میں سے ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ نیم ترقی یافتہ ممالک میں سے ہے۔ یہاں ایک مضبوط مستحکم حکومت قائم ہے' ایک نہایت منظم اور تربیت یافتہ فوج موجود ہے جس کا پس منظر برطانوی تربیت کا حامل ہے۔ ابھی تک اس میں کوئی رخنہ پیدا نہیں ہوا۔ نواز شریف صاحب نے اس میں رخنہ پیدا کرنا چاہا تھا لیکن فوج نے ثابت کر دیا کہ اس کی مٹھی بند ہے' فوج پورے طریقے سے یکجا اور مجتمع ہے۔ مزید برآں یہاں مرکزی اور صوبائی سطح پر ایک بہت مضبوط' ذہین اور تعلیم یافتہ بیوروکریسی موجود ہے' جو اپنے اثر و رسوخ کے اعتبار سے معمولی نہیں' بہت زیادہ مؤثر ہے۔ یہاں بڑی بڑی جاگیریں موجود ہیں' جو چھوٹی چھوٹی ریاستوں کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کے اپنے عدالتی نظام ہیں' اپنی جیلیں ہیں۔ پھر بڑی بڑی زمینداریاں ہیں' بڑے بڑے کاروباری لوگ ہیں' سرمایہ دار ہیں' صنعت کار ہیں۔ ان سب پر مستزاد یہاں پر مغرب زدہ تعلیم یافتہ اشرافیہ کو ہر میدان میں فیصلہ کن طور پر بالادستی حاصل ہے' خواہ آرمی کی لیڈر شپ ہو' بیوروکریسی ہو' بالاتر صنعت کار طبقہ ہو' بڑے زمیندار ہوں یا سرمایہ دار ہوں' غرضیکہ سب کے سب بالاترین طبقات جو ہیں اور جن کو یہاں فیصلہ کن بالادستی حاصل ہے وہ مغرب زدہ ہیں اور سیکولر سوچ کے حامل ہیں' جس کا سب سے بڑا مظہر آپ کا انگلش پرنٹ میڈیا ہے۔ آپ انگریزی اخبارات کو دیکھ لیجئے کہ ان کا ذہن کیا ہے اور ان کی سوچ کیا ہے۔ ان اخبارات میں جو مضامین اور کالم چھپتے ہیں ان کے بین السطور ان کی سوچ جھلکتی ہے۔

ہماری احیائی تحریکوں کی سب سے بڑی کمزوری بھی یہی ہے کہ ان کی دعوت مڈل کلاس میں تو پھیلی ہے اور کافی پھیلی ہے' لیکن اپر کلاس کے اندر وہ کوئی اثر و نفوذ پیدا نہیں کر سکیں۔ یونیورسٹیوں کے پروفیسرز' اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقات اور وہ سب بالاتر طبقات جو میں نے گنوائے ہیں' یہ سب ذہناً سیکولر ہیں اور اپنی ثقافت' اپنی تہذیب' اپنی بود و باش' اپنے رہن سہن' اپنے لباس اور اپنی وضع قطع میں مغرب زدہ ہیں اور احیائی تحریکیں ان کے اندر کوئی بڑا نفوذ حاصل نہیں کر سکیں۔ باقی جو روایتی مذہبی جماعتیں ہیں

ان کے پاس سٹریٹ پاور موجود ہے اور وہ خالص عقیدے سے تعلق رکھنے والے جذباتی ایشوز پر لوگوں کو میدان میں لاسکتی ہیں' لیکن چونکہ یہ آپس میں بٹی ہوئی ہیں لہٰذا ان سے کسی مثبت اور تعمیری اعتبار سے بڑے اقدام کی توقع نہیں ہے۔

یہ حالات ہیں پاکستان کے جو افغانستان کے حالات سے بالکل مختلف ہیں۔ یہ میں نے contrast آپ کو دکھایا ہے کہ افغانستان کے حالات کیا تھے۔ اور یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی چھپر پھاڑ کر دینے والا معاملہ تھا کہ وہاں کے حالات کئی کروٹیں لے کر الٹ پلٹ ہو کر ایسے سازگار ہو گئے کہ طالبان کی تحریک دیکھتے ہی دیکھتے جنگل کی آگ کی طرح پھیلی اور کامیاب ہوگئی۔ پاکستان کے حالات تو اس سے بالکل برعکس تھے۔

پاکستان میں طالبان طرز کی تحریک کے امکانی نتائج

اندریں حالات پاکستان میں اگر افغانستان کی طرز کی تحریک شروع کرنے کی کوشش کی جائے تو میرے پیشِ نظر اس کے تین امکانی نتائج ہیں:

۱) ایسی تحریک کا ایک انجام یہ ہوسکتا ہے کہ اسے مکمل طور پر کچل دیا جائے' ختم کر دیا جائے اور یہ پھر اس ملک میں اسلام کے مستقبل کے اعتبار سے ایک بہت بڑا نقصان ہوگا۔

۲) یہ بھی ممکن ہے کہ جمعیت علماء اسلام فضل الرحمٰن گروپ اور سمیع الحق گروپ اگر دونوں مل جائیں اور ان کے زیر اثر حرکت المجاہدین اور دیوبندی حلقہ کے دوسرے تمام جہادی گروپ اگر جمع ہو کر جہد و جہد کریں تو ان کے لئے کسی درجے میں کامیابی کا کوئی امکان ہوسکتا ہے۔ لیکن یہ کامیابی صرف اس درجے کی ہوسکتی ہے کہ پاکستان کا شمالی مغربی سرحدی صوبہ اور بلوچستان کا شمال مشرقی کونہ یعنی پاکستان کی پختون بیلٹ پاکستان سے کٹ کر افغانستان کے ساتھ شامل ہو جائے۔ پاکستان کا صرف یہی علاقہ ہے جہاں طالبان طرز کی تحریک کے لئے فضا موجود ہے۔ عام پختون عوام میں نماز روزہ کی حد تک دین داری ہے' ان کی ثقافت میں بھی کچھ نہ کچھ اسلامی اقدار' شرم و حیا' غیرت و حمیت موجود ہے۔ پھر وہاں پر جمعیت علماء اسلام کا اتنا اثر و نفوذ اور اتنا عمل دخل

ہے۔لہٰذا اگر کوئی کامیابی ہوسکتی ہے تو صرف وہاں۔

لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خدانخواستہ یہ نقطۂ آغاز ہو سکتا ہے اس scenario کو پیدا کرنے کے لئے جو امریکہ کے تھنک ٹینک نے ۲۰۲۰ء کے حوالے سے پاکستان کا نقشہ کھینچا ہے کہ خاکش بدہن پاکستان کے حصے بخرے ہو جائیں گے' ایک علاقہ ادھر چلا جائے گا' بقیہ ہندوستان کے ساتھ مل جائے گا۔ سندھ شاید علیحدہ ہو جائے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بھارت کے ساتھ مل جائے۔ پنجاب تو ہوگا ہی بھارت کے ساتھ۔ (یہی وجہ ہے کہ وہاں تو ایک ثقافت کا راگ بھی الاپا جا رہا ہے' بسنت کے تہوار' سکھبیر کے شو اور پنجابی کانفرنسوں وغیرہ کے حوالے سے باہم ''محبت و یگانگت'' کی فضا پیدا کی جا رہی ہے) البتہ بلوچستان ایک آزاد اور خوشحال ریاست بن سکتی ہے۔

۳) اگر اس قسم کی تحریک سے خلفشار پیدا ہو جائے تو نتیجہ اس سے بھی زیادہ خوفناک نکل سکتا ہے۔ جیسا کہ ہماری خواہش ہے' اگر کشمیر کا مسئلہ حل ہو جاتا ہے تو یہ جہادی تحریکیں کہاں جائیں گی؟ جس چیز کی انہیں ٹریننگ ملی ہے' جس چیز میں انہوں نے اپنے شب و روز لگائے ہیں' جس میں ان کے ہزاروں ساتھیوں نے جانیں دی ہیں' کیا وہ اس راستے کو چھوڑ دیں گے؟ غالب امکان ہے کہ وہ اس ملک کے اندر اسی طرح کی تحریک اسلام کے نفاذ کے لئے شروع کریں' اور اگر اس سے بڑے پیمانے پر خلفشار ہو جائے جس میں پنجاب اور سندھ بھی متاثر ہو جائیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوسکتا ہے کہ امریکہ کی شہ پر بھارت پاکستان پر حملہ کر دے۔ اس وقت ایٹمی ہتھیار استعمال کرنا آسان کام نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ اگر آپ کے پاس ایٹم بم موجود ہے تو ان کے پاس اس سے زیادہ ہے۔ اگر آخری حد تک بات آ جائے اور امریکہ کی بھی اس کو پوری اشیر باد حاصل ہو جائے اور چین کا گھیراؤ کرنے کی غرض سے پاکستان کا کانٹا نکالنا امریکہ کے لئے زیادہ پسندیدہ ہو جائے تو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بھارت پیش قدمی کرے اور بالآخر ہماری سو سالہ جدوجہد بالکل زیرو ہو کر رہ جائے۔ ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ قائم ہوئی تھی۔ اور امریکہ میں شائع ہونے والی ایک کتاب میں ۲۰۰۶ء میں پاکستان کے چھ ٹکڑے بتائے گئے تھے کہ سو برس کے بعد پاکستان کا حال یہ ہوگا۔ اب وہاں کے

تھنک ٹینک نے بھی ایسی بات کی ہے اور میں اس کو ناممکن نہیں سمجھتا۔

اگر یہاں اس قسم کی کوئی تحریک اٹھی تو تین ممکنہ نتیجے میں نے آپ کو بتائے ہیں۔ یا تو اسے کچل دیا جائے گا۔ یہ بھی ہمارے لئے بہت بڑا نقصان ہوگا کہ وہ قوت جو وقت آنے پر میدان میں اسلام کے نفاذ کے لئے فیصلہ کن کردار ادا کر سکتی ہے اسے کچل دیا جائے۔ دوسرے یہ کہ وہ اگر پاکستان کے ایک علاقے (پختون بیلٹ) میں زیادہ مؤثر ہو گی تو وہ علاقہ پاکستان سے کٹ کر افغانستان کا حصّہ ہو جائے گا۔ اس کی تائید میں مذہبی' لسانی' نسلی و علاقائی غرضیکہ سارے عوامل موجود ہیں۔ اور تیسری شکل یہ ہو سکتی ہے کہ اگر یہ جہادی تحریکیں سب مل کر اور پاکستان میں اسلام کے نفاذ کے لئے واقعتاً میدان میں برسرِ پیکار ہو جائیں اور اس میں کوئی دنگا فساد' قتل و غارت اور خانہ جنگی شروع ہو جائے تو اس کے نتیجے میں خود اقوامِ متحدہ یا اس کی طرف سے لائسنس لے کر بھارت پولیس ایکشن کرے اور اس معاملے کے اندر پاکستان کا کانٹا ہمیشہ کے لئے نکال دے۔

واحد ممکن العمل راستہ

اندریں حالات پاکستان کے لئے واحد ممکن العمل راستہ کیا ہے؟ منہج انقلاب نبویؐ پر کاربند ہونا! آج سے ۱۷ سال قبل ۱۹۸۴ء میں مَیں نے ''منہج انقلاب نبویؐ'' کے عنوان سے گیارہ تقریریں کی تھیں' جبکہ ایرانی انقلاب کا بہت غلغلہ تھا۔ یہ گیارہ تقریریں پہلے میثاق میں ایک ایک کر کے شائع ہوئیں' پھر انہیں یکجا کر کے کتابی شکل میں شائع کیا گیا۔ کچھ عرصہ پہلے اس کتاب پر نظر ثانی کر کے اسے عمدہ گیٹ اپ اور کمپیوٹر کمپوزنگ کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔ میں آج اپنی تقریر میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں کہ میری اس کتاب کا مطالعہ لازماً کیجئے۔ میرے نزدیک پاکستان میں اسلام منہج انقلابِ نبویؐ کے سوا اور کسی راستے سے نہیں آ سکتا۔ لہٰذا ہر شخص جس کی خواہش ہو کہ پاکستان میں اسلام آئے' اس کے لئے اسے پڑھنا لازم ہے۔ اس منہاجِ محمدی کے بارے میں اس وقت میں صرف تین باتیں کروں گا۔

۱) دیکھئے دعوت کے انداز میں' دعوت کے میدان میں اسلام کا انقلابی فکر ہمارے ملک کے متوسط طبقے کے اندر بہت حد تک نفوذ کر چکا ہے۔ وہ علامہ اقبال کے ذریعے سے بھی ہوا' مولانا مودودی کے ذریعے سے بھی ہوا' اس میں کچھ خدمات ہماری بھی ہیں (اللہ تعالیٰ قبول فرمائے) اور کچھ دیگر حلقوں کی بھی۔ یہ انقلابی فکر یہ ہے کہ اسلام مذہب نہیں دین ہے' یہ اپنا غلبہ چاہتا ہے' دین ہوتا ہی تب ہے جبکہ وہ غالب ہو' مغلوب ہو تو مذہب بن جاتا ہے۔ یہ فکر بہت پھیل چکا ہے' اس میں کوئی شک نہیں' لیکن جو بالاتر طبقات ہیں ابھی ان تک اس دعوت کی رسائی نہیں ہوئی۔ ہماری جتنی بھی کوششیں ہیں' مساعی ہیں وہ تا حال زیادہ تر متوسط طبقات تک محدود ہیں۔ چنانچہ پہلی ضرورت یہ ہے کہ مغربی فکر کے اوپر ایسی زوردار تنقید انگریزی زبان میں سامنے آئے جو چاہے مغرب کو تو مسلمان نہ بنا سکے لیکن یہاں کے جو مغرب زدہ طبقات ہیں ان میں مغرب کی مرعوبیت کو ختم کر دے۔ دیکھیں امام غزالی کی کتاب نے یونان کو تو مسلمان نہیں بنا دیا تھا' لیکن مسلمانوں کے جو طبقات یونان کے فلسفے سے متاثر ہو گئے تھے' ان کی مرعوبیت ختم کر دی تھی۔ امام ابن تیمیہ نے بھی یہ کیا کہ ارسطو کی منطق کا جو رعب تھا وہ ختم کر دیا۔ تو پہلا کام یہ ہے کہ ہمارے بالاتر طبقات پر مغربی فکر و فلسفے کا جو رعب ہے اس رعب کو ختم کیا جائے۔ پھر یہ کہ قرآن کی دعوتِ انقلاب' قرآن کا فکر' قرآن کا فلسفہ اور قرآن کی حکمت (Wisdom) کو یہاں پر انگریزی زبان میں پیش کیا جائے' تاکہ ہمارے وہ طبقے جو ذہناً انگریز بن چکے ہیں' ان کے سامنے قرآن کا انقلابی فکر آ سکے۔ لہٰذا ایک ٹیم ایسی چاہئے کہ جو اس ملک کے طول و عرض میں اوپر کے طبقات تک قرآن کی دعوت' قرآن کا فکر' قرآن کا فلسفہ اور قرآن کی حکمت انگریزی زبان میں پیش کر سکے۔

۲) پاکستان ہی کے کسی شخص جو یہاں کے حالات سے بخوبی واقف ہو' کے ہاتھ پر بیعت کر کے تنظیم قائم کی جائے' جس کی ادنیٰ سی کوشش کرتے ہوئے ہم نے تنظیم اسلامی قائم کی ہے۔ چونکہ بیعت کی کڑوی گولی لوگوں کے حلق سے نیچے نہیں اترتی' لہٰذا ہمیں اس کا response بہت محدود ملا ہے۔ ایک درمیانی راستہ یہ ہے کہ ''نہی عن

المنکر باللسان'' کی حد تک مختلف دینی جماعتوں کا ایک اتحاد وجود میں آ جائے۔ مَیں برملا کہتا ہوں اور بار بار کہتا ہوں کہ کاش یہاں کی دینی جماعتیں انتخابی سیاست سے گریز اور پسپائی اختیار کرتے ہوئے احتجاجی سیاست کا راستہ اپنائیں اور ایک پریشر گروپ کی حیثیت سے اپنے مطالبات لے کر پُر امن طور پر میدان میں آئیں۔ جب تک یہ متحدہ محاذ نہی عن المنکر باللسان کا فریضہ ادا کرتا رہے اس مرحلے میں اس کی امارت یا صدارت رکن جماعتوں کے مابین معین دورانئے کے لئے گردش کرتی رہے۔ لیکن پھر جب نہی عن المنکر بالید اور چیلنج کا مرحلہ آئے کہ اب ہم منکرات نہیں ہونے دیں گے' جب گھیراؤ کرنے ہوں' جب دھرنے دینے ہوں تو اس مرحلے میں کسی ایک شخص کے ہاتھ پر بیعت کرنا ضروری ہے' ورنہ پھر ''فساد فی سبیل اللہ'' کا اندیشہ پیدا ہو جائے گا جو افغانستان سے روسی افواج کے انخلاء کے بعد وہاں پر ہوا تھا۔

۳) اس راستے کا طریقہ کار کہ یہ جماعت یا یہ اتحاد کیا کرے گا' ہمیں سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۱۰۴ میں ملتا ہے:

﴿ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾

''اور تم میں ایک جماعت ایسی ضرور ہونی چاہئے جو خیر کی طرف دعوت دے' نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے''۔

نہی عن المنکر کے پھر تین مرحلے ہیں جو دو حدیثوں میں بیان ہوئے ہیں۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ رَاٰی مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ))

''تم میں سے جو کوئی کسی برائی کو دیکھے تو وہ اسے اپنے ہاتھ (کی قوت) سے روک دے' اگر اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اپنی زبان سے (اسے روکے) اور اگر اسے اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو اپنے دل سے (اسے برا سمجھے)' اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے''۔

یہ مسلم شریف کی حدیث ہے۔ مسلم شریف ہی کی ایک اور روایت جو حضرت

عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے' کے آخر میں فرمایا گیا: ((وَلَیْسَ وَرَاءَ ذٰلِکَ مِنَ الْاِیْمَانِ حَبَّۃُ خَرْدَلٍ)) ''اور اس کے بعد تو رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان موجود نہیں ہے''۔

اب اس سلسلے میں تنظیم بنا کر جو بھی کام ہو اس میں کتنی کامیابی ہو گی' اس کا دارومدار مشیت ایزدی پر ہے۔ کل شیء مرھون لوقتہ۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت میں ہر کام کے وقوع پذیر ہونے کا ایک خاص وقت معین ہے' وہ تو اُسی وقت ہو گا' اس سے پہلے نہیں ہو گا۔ لیکن اس کے دین کی سربلندی کے لئے مسلسل محنت اور لگاتار جدوجہد کرتے رہنا ہمارا فرض ہے۔ اسی محنت و کوشش اور جدوجہد میں جان جان آفرین کے سپرد کر دی جائے تو اسی میں کامیابی ہے۔ لیکن کسی موقع پر اللہ کی طرف سے کوئی خصوصی مدد بھی آ جاتی ہے۔ جیسے حضور ﷺ کے لئے مدینے سے آ گئی تھی' جبکہ حضور ﷺ کو اس کا خیال بھی نہیں تھا۔ حضور ﷺ تو متبادل مرکز کی تلاش میں طائف گئے تھے' مگر وہاں ایک دن میں آپؐ سے جو سلوک ہوا وہ مکے میں دس برس کے دوران بھی آپؐ سے ذاتی طور پر نہیں ہوا۔ لیکن پھر خود بخود اللہ کی مدد یوں آ گئی کہ ابھی مدینے میں آنحضور ﷺ کے قدم مبارک پہنچے بھی نہیں تھے کہ وہاں سے کھڑکی کھل گئی۔ چنانچہ یہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ اللہ تعالیٰ کس طرف سے' کس مرحلے پر اور کس موقع پر اس کھڑکی کو کھول دے۔ یہ اللہ کا معاملہ ہے۔ اگر اللہ کی منشا نہیں ہے کہ ہمارے ہاتھوں کھولے تو ہمیں بھی راضی برضائے ربّ رہنا چاہئے۔ ہماری تو شدید خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ہاتھوں یہ کام لے' لیکن اگر اسے یہ منظور نہیں تو کوئی پروا نہیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ یہ کام بہرحال ہونا ہے' ہمارے ہاتھوں نہیں تو کسی اور کے ہاتھوں سہی۔ ہمیں تو کام سے دلچسپی ہے۔

ان حالات میں جو حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ ملا عمر کے ہاتھ پر بیعت کر لینی چاہئے مجھے ان سے اتفاق نہیں ہے۔ مجھ سے یہ بات انفرادی طور پر بھی بہت سے لوگوں نے کی ہے اور بعض تحریریں بھی مجھ تک پہنچی ہیں کہ یہاں تو کوئی اُمید نہیں ہے' اب تو یہی

شکل ہے کہ ملا عمر کے ہاتھ پر بیعت کی جائے اور طالبان طرز کی تحریک کا یہاں آغاز کیا جائے۔ میں نے آپ کے سامنے پاکستان اور افغانستان کے حالات کے مابین موازنہ پیش کر دیا ہے۔ ان حالات کے پس منظر میں سوچئے کہ ملا عمر کے ہاتھ پر بیعت کرنے کی نوعیت کیا ہو سکتی ہے! یا تو وہ پیری مریدی والی روایتی بیعت ہوگی' جو محض ایک ذہنی سہارا ہوتی ہے' یا میں اسے فرار (escapism) قرار دوں گا۔ یعنی پاکستان میں کوئی واضح ٹھوس نتیجہ برآمد ہوتا نظر نہ آنے کے باوجود جس مسلسل اور پیہم جدوجہد اور مشقت کی ضرورت ہے اس سے یہ گریز اور فرار کا راستہ ہے۔ انہوں نے اس راہ میں جو تلخیاں جھیلی ہیں اور وہ جن جن مراحل سے گزرے ہیں کیا آپ ان سے گزرے ہیں؟ اللہ نہ کرے کہ اس طرح کے اکھاڑ پچھاڑ سے ہمیں بھی سابقہ پیش آئے۔ بہرحال وہاں کے حالات اور ہیں' ہمارے حالات اور ہیں۔ ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے ہم یہاں کوئی تبدیلی نہیں لا سکتے۔

البتہ اگر کسی مرحلے پر طالبان خود اس بات کا اعلان کریں کہ ہمیں پاکستان میں اپنے انقلاب کو برآمد کرنا ہے (جیسے ایک مرحلے پر ایران کی طرف سے یہ کوشش ہوئی تھی) اور پھر وہ کال دیں کہ پاکستان میں جو لوگ ہماری اس انقلابی جدوجہد میں شریک ہونا چاہتے ہیں ہمارے ساتھ بیعت کے رشتے میں منسلک ہو جائیں' تو جو لوگ اس کے لئے تن من دھن ہی نہیں' جان بھی دینے کو تیار ہیں' انہیں اگر طالبان کے طریق سے اتفاق ہو تو ان کے لئے لازم ہوگا کہ وہ ملا عمر کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ وہ بامعنی بیعت ہوگی جس کی کوئی حیثیت ہوگی اور جس کے کوئی نتائج نکلنے کی توقع ہوگی۔ لیکن جہاں تک مجھے معلوم ہے تا حال طالبان کا یہ موقف ہرگز نہیں۔ بلکہ جب ہم افغانستان گئے تھے اور اپنے وفد کے ہمراہ ملا عمر کے ساتھ میری ملاقات ہوئی تھی تو جو بات ہوئی تھی میں نے اس کو اسی وقت بیان بھی کر دیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ پاکستان کی حکومت کے ساتھ کوئی ٹکراؤ مول نہ لیا جائے اور اپنی جگہ پر آپ کام کرتے رہئے۔ چنانچہ یہ ان کا موقف نہیں ہے بلکہ کچھ لوگ خواہ مخواہ ان کے حوالے سے یہاں اپنا اعتماد قائم کروانا

چاہتے ہیں یعنی نام ان کا اعتماد اپنا۔

طالبان حکومت سے تعاون کی ضرورت

البتہ پاکستان میں منہج انقلاب محمدیؐ پر کاربند رہتے ہوئے ہمیں افغانستان کی طالبان حکومت سے تعاون کرنا چاہئے۔ تعاون کی پہلی شکل دعا ہے۔ اپنے خاص اوقات میں تنہائی میں ان کے لئے دعا کریں۔ اللہ تعالیٰ رات کو اٹھنے کی توفیق دے تو خصوصاً اس وقت دعا کریں کہ اے اللہ! ان کی مدد فرما! ان کی نصرت فرما!!

ثانیاً جتنی بھی مالی امداد ممکن ہو وہ کی جائے۔ وہ جنس کی شکل میں بھی ہو سکتی ہے اور نقد کی شکل میں بھی ہو سکتی ہے۔

ثالثاً افغانستان کی تعمیر نو میں حصّہ لیا جائے۔ اس لئے کہ سارا ملک تہس نہس ہو کر رہ گیا ہے۔ بیس سال کی خانہ جنگی نے اسے تباہ و برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ وہاں پر دس لاکھ افغان تو اُس وقت تک شہید ہو چکے تھے جبکہ روسی مداخلت جاری تھی۔ اس کے بعد تقریباً پانچ لاکھ اور ختم ہو چکے ہوں گے۔ تو وہ ملک ایک اعتبار سے تہس نہس ہو کر رہ گیا ہے۔ اس کی تعمیر نو کے لئے جو جدوجہد ہو رہی ہے اس کے ضمن میں جو بھی تعاون ہمارے ہاں کے صنعت کار، زمیندار اور پروفیشنل حضرات کر سکتے ہیں انہیں ضرور کرنا چاہئے۔

رابعاً یہ کہ اپنی حکومت پر دباؤ ڈالنا چاہئے کہ وہ طالبان حکومت کے خلاف عائد کردہ اقوامِ متحدہ کی پابندیوں (Sanctions) کو قبول نہ کرے اور ان کا مانیٹرز تعینات کرنے کا مطالبہ رد کرے۔ ہمیں اس معاملے میں یو این او سے ہرگز تعاون نہیں کرنا چاہئے۔ یہ درحقیقت ایک بہت بڑا اقدام ہے جو اب طالبان کے خلاف شروع ہو رہا ہے۔ اس کا مقصد طالبان کے گرد گھیرا مزید تنگ کرنا ہے۔ اس ضمن میں طالبان کی طرف سے شدید ردعمل آیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ ہم اس کی مزاحمت کریں گے اور ان کی مزاحمت ظاہر بات ہے زبانی کلامی نہیں، بالفعل ہوگی۔

اس سلسلہ میں دفاعِ پاکستان و افغانستان کونسل کو اپنا بھرپور کردار ادا کرنا

چاہئے۔ کونسل کے صدر مولانا سمیع الحق صاحب کا بیان بھی آیا ہے کہ اقوامِ متحدہ کے اس مجوزہ اقدام کی شدید مذمت ہونی چاہئے' اس کی مخالفت ہونی چاہئے اور ہم اس کے خلاف کام کریں گے۔ واقع یہ ہے کہ جے یو آئی کے مختلف دھڑے پاکستان کی پختون بیلٹ اور آزاد قبائلی علاقے کے لوگوں کو اس کے لئے تیار کر سکتے ہیں کہ وہ ان مانیٹرز کو اپنے ہاں نہ آنے دیں۔ ان کے اندر اگر یہ تحریک چلے تو یو این او کے لئے وہاں مانیٹرز کی تعیناتی ممکن ہی نہیں ہوگی۔ بدقسمتی سے ایران نے اس پر خوشی کا اظہار کیا ہے جس پر مجھے بہت افسوس ہے۔ پاکستان نے اگرچہ اس اقدام کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے لیکن تعاون کا وعدہ کیا ہے۔ اس ''لیکن'' کو درمیان سے قطعاً نکال دینا چاہئے۔ ہمیں اس میں ہرگز تعاون نہیں کرنا چاہئے۔ اور اللہ کرے کہ ہمارا یہ انکار یو این او' ورلڈ بینک' آئی ایم ایف اور ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن (W.T.O) جیسے عالمی اداروں سے بغاوت کی طرف پہلا قدم قرار پا جائے۔

مسئلہ فلسطین

آخر میں فلسطین کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ وہاں اب حالات اس نہج پر آ گئے ہیں کہ صہیونی مسجد اقصیٰ کو گرا کر وہاں اپنا سلیمانی معبد (تھرڈ ٹمپل) تعمیر کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ اس کا سنگ بنیاد رکھنے کے لئے وہ چارٹن کا پتھر لے کر آئے تھے' لیکن فلسطینی نوجوانوں نے اپنی جانوں کی قربانی دے کر اس کو توفی الحال روک دیا' لیکن انہوں نے علامتی سنگ بنیاد رکھ دیا۔ اس وقت دنیا میں صہیونیت (Zionism) دو طرح کی ہو گئی ہے۔ ایک یہودی صہیونیت جبکہ دوسری عیسائی صہیونیت (Christian Zionism) ہے۔ اور اس وقت باعمل (Practicing) یہودیوں سے بڑھ کر یہ عیسائی صہیونی اسرائیل کے پشت پناہ ہیں اور چاہتے ہیں کہ جلد سے جلد مسجد اقصیٰ کو مسمار کر کے یہاں پر تھرڈ ٹمپل تعمیر کیا جائے تاکہ یہاں حضرت مسیحؑ کی دوبارہ آمد کی جگہ تیار ہو جائے۔ اس کے بارے میں اس وقت میں کچھ عرض نہیں

(باقی صفحہ ۵۷ پر)

دارالاسلام میں مذاہبِ کفر کی تبلیغ کی اجازت کیوں نہیں؟

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

کیا ایک صحیح اسلامی حکومت کے تحت غیر مسلموں کو اپنے مذاہب کی تبلیغ کا حق اسی طرح ہوگا جس طرح مسلمانوں کو اپنے مذہب کی تبلیغ کا حق حاصل ہونا چاہئے؟ کیا خلافتِ راشدہ اور اس کے بعد کی خلافتوں کے تحت کفار و اہل کتاب کو اپنے مذاہب کی تبلیغ کا حق حاصل تھا؟

اس مسئلہ کا فیصلہ بڑی حد تک قتل مرتد کے قانون نے خود ہی کر دیا ہے' کیونکہ جب ہم اپنی حدودِ اقتدار میں کسی ایسے شخص کو جو مسلمان ہو' اسلام سے نکل کر کوئی دوسرا مذہب و مسلک قبول کرنے کا ''حق'' نہیں دیتے تو لامحالہ اس کے معنی یہی ہیں کہ ہم حدودِ اسلام میں اسلام کے مقابل کسی دوسری دعوت کے اٹھنے اور پھیلنے کو بھی برداشت نہیں کرتے۔ دوسرے مذاہب و مسالک کو تبلیغ کا ''حق'' دینا اور مسلمانوں کے لئے اس تبدیلی مذہب کو جرم ٹھہرانا' دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں اور مؤخر الذکر قانون مقدم الذکر چیز کو خود بخود کالعدم کر دیتا ہے' لہٰذا قتل مرتد کا قانون فی نفسہٖ یہ نتیجہ نکالنے کے لئے کافی ہے کہ اسلام اپنی حدودِ اقتدار میں تبلیغ کفر کا روادار نہیں ہے۔

لیکن ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ یہ قانون صرف مسلمانوں کو تبلیغ کفر کے اثرات سے محفوظ کرتا ہے' اس کے بعد یہ سوال پھر بھی باقی رہ جاتا ہے کہ آیا اسلام اپنی حدود میں رہنے والے غیر مسلموں اور باہر سے آنے والے داعیوں کو غیر مسلم آبادی میں اپنے اپنے مذاہب و مسالک کی دعوت پھیلانے کی اجازت دیتا ہے یا نہیں!

مسئلہ کی تحقیق

اس سوال کی تحقیق کے لئے ضروری ہے کہ ہم اسلام کے حقیقی موقف کو اور اسلامی حکومت کی نوعیت کو اچھی طرح سمجھ لیں۔

اسلام کی اصل حیثیت یہ ہے کہ وہ خود ایک راستہ نوع انسانی کے سامنے پیش کرتا ہے اور پوری قطعیت کے ساتھ دعویٰ کرتا ہے کہ یہی راستہ صحیح ہے اور دوسرے سب راستے غلط ہیں' اسی میں انسان کی فلاح ہے اور دوسرے راستے میں انسانیت کے لئے تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہیں ہے' لہٰذا اسی راہ پر سب لوگوں کو آنا چاہئے اور دوسرے راستوں کو چھوڑ دینا چاہئے:

﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ؕ﴾ (الانعام: ۱۵۳)

''اور یہ کہ میرا یہ راستہ ہی ایک سیدھا راستہ ہے' پس تم اسی کی پیروی کرو اور دوسرے راستوں کی پیروی نہ کرو' ورنہ تم اللہ کے راستے سے ہٹ جاؤ گے''۔

اسلام کی نگاہ میں ہر وہ طریق فکر و عمل جس کی طرف کوئی غیر مسلم دعوت دیتا ہے' گمراہی ہے اور اس کی پیروی کا نتیجہ انسان کے لئے نقصان اور خالص نقصان کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

﴿اُولٰٓئِكَ یَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَاللّٰهُ یَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ﴾ (البقرہ: ۲۲۱)

''وہ آگ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ اپنے حکم سے جنت اور بخشش کی طرف بلاتا ہے''۔

اس دعوے اور اس دعوت میں اسلام اپنے اندر کوئی باطنی تذبذب نہیں رکھتا۔ وہ اس شک میں مبتلا نہیں ہے کہ شاید کوئی دوسرا راستہ بھی حق اور موجب فلاح انسانیت ہو۔ اس کو اپنے برحق اور دوسری تمام راہوں کے باطل ہونے کا پورا یقین ہے۔ وہ وثوق اور اخلاص اور سنجیدگی کے ساتھ یہی سمجھتا ہے کہ اور سب راستے انسان کو جہنم کی طرف لے جانے والے ہیں' اور صرف اس کا اپنا ہی راستہ انسان کے لئے ایک راہِ

نجات ہے۔

اب ظاہر ہے کہ جب اسلام کا اصل موقف یہ ہے تو اس کے لئے اس بات کو پسند کرنا تو درکنار' گوارا کرنا بھی سخت مشکل ہے کہ بنی آدم کے اندر وہ دعوتیں پھیلیں جو اس کو ابدی تباہی کی طرف لے جانے والی ہیں۔ وہ داعیانِ باطل کو اس امر کا کھلا لائسنس نہیں دے سکتا کہ وہ جس آگ کے گڑھے کی طرف خود جا رہے ہیں اسی کی طرف دوسروں کو بھی کھینچیں۔ زیادہ سے زیادہ جس چیز کو وہ بادل ناخواستہ گوارا کرتا ہے وہ بس یہ ہے کہ جو شخص خود کفر پر قائم رہنا چاہتا ہو اسے اختیار ہے کہ اپنی فلاح کے راستے کو چھوڑ کر اپنی بربادی کے راستے پر چلتا رہے' اور یہ بھی وہ صرف اس لئے گوارا کرتا ہے کہ زبردستی کسی کے اندر ایمان اتار دینا قانونِ فطرت کے تحت ممکن نہیں ہے۔ ورنہ انسانیت کی خیرخواہی کا اقتضا یہ تھا کہ اگر کفر کے زہر سے لوگوں کو بجبر بچانا ممکن ہوتا تو ہر اُس شخص کا ہاتھ پکڑ لیا جاتا جو اس زہر کا پیالہ پی رہا ہو۔ اس جبری حفاظت اور نجات دہندگی سے اسلام کا اجتناب اس بنا پر نہیں ہے کہ وہ تباہی کے گڑھے کی طرف جانے کو لوگوں کا ''حق'' سمجھتا ہے اور انہیں روکنے اور بچانے کو ''باطل'' خیال کرتا ہے' بلکہ اس کارِ خیر سے اس کے اجتناب کی وجہ صرف یہ ہے کہ خدا نے جس قانون پر کائنات کا موجودہ نظام بنایا ہے اس کی رو سے کوئی شخص کفر کے تباہ کن نتائج سے نہیں بچایا جا سکتا' جب تک وہ خود کافرانہ طرزِ فکر و عمل کی غلطی کا قائل و معترف ہو کر مسلمانہ رویہ اختیار کرنے پر آمادہ نہ ہو جائے۔ اس لئے اور صرف اسی لئے اسلام اللہ کے بندوں کو یہ اختیار دیتا ہے کہ اگر وہ تباہی و بربادی کے راستہ پر چلنا چاہتے ہیں تو چلیں۔ لیکن اس سے یہ امید کرنا عبث ہے کہ وہ اس اختیار کے ساتھ ان خودکشی کرنے والوں کو یہ اختیار بھی دے گا کہ جس تباہی کی طرف وہ خود جا رہے ہیں اس کی طرف دوسرے بندگانِ خدا کو بھی چلنے کی ترغیب دیں۔ جہاں اس کا بس نہیں چلتا وہاں تو مجبوری ہے' لیکن جہاں اس کی اپنی حکومت قائم ہو اور اللہ کے بندوں کی فلاح و بہبود کا ذمہ اس نے لیا ہو وہاں اگر چوری اور ڈاکے اور قحبہ گری اور افیون نوشی اور زہرخوری کی تبلیغ کا لائسنس

دینا اس کے لئے ممکن نہیں ہے تو اس سے بدر جہا زیادہ مہلک چیز کفر و شرک اور دہریت اور خدا سے بغاوت کی تبلیغ کا لائسنس دینا اس کے لئے کس طرح ممکن ہو سکتا ہے؟

اسلامی حکومت کا بنیادی مقصد

اسلام جس غرض کے لئے اپنی حکومت قائم کرتا ہے وہ محض انتظامِ ملکی نہیں ہے بلکہ اس کا ایک واضح اور متعین مقصد ہے جسے وہ ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

﴿هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ﴾ (التوبة: ۳۳)

''وہ اللہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ اسے پوری جنس دین پر غالب کر دے' خواہ شرک کرنے والوں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو''۔

﴿وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾ (الانفال: ۳۹)

''اور تم ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورا کا پورا اللہ کے لئے ہو جائے''۔

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾ (البقرة: ۱۴۳)

''اور اس طرح ہم نے تم کو ایک امت وسط (بہترین گروہ) بنا دیا ہے تا کہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو''۔

ان آیات کی رو سے پیغمبر کے مشن کا اصل مدعا یہ ہے کہ جس ہدایت اور دین حق کو وہ خدا کی طرف سے لایا ہے اسے ہر اُس نظام زندگی کے مقابلے میں غالب کر دے جو ''دین'' کی نوعیت رکھتا ہو۔ اس سے لامحالہ یہ بات لازم آتی ہے کہ جہاں پیغمبر کو اپنے اس مشن میں کامیابی حاصل ہو جائے وہاں وہ کسی ایسی دعوت کو نہ اٹھنے دے جو خدا کی ہدایت اور اس کے دین کے مقابلے میں کسی دوسرے دین یا نظام زندگی کے غلبے کی کوشش کرنا چاہتی ہو۔

پیغمبر کے بعد جس طرح ان کے جانشین اس دین کے وارث ہوتے ہیں جو وہ خدا کی طرف سے لایا تھا' اسی طرح وہ اس مشن کے بھی وارث ہوتے ہیں جس پر اللہ نے

اسے مامور کیا تھا۔ ان کی تمام جدوجہد کا مقصود ہی یہ قرار پاتا ہے کہ دین پورا کا پورا اللہ کے لئے مخصوص ہو۔ لہٰذا جہاں معاملاتِ زندگی ان کے قبضہ و اختیار میں آ جائیں اور جس ملک یا جس سرزمین کے انتظام کے متعلق انہیں پوری طرح خدا کے سامنے ذمہ دارانہ گواہی دینی ہو، وہاں ان کے لئے کسی طرح بھی جائز نہیں ہوسکتا کہ وہ اپنی حفاظت ونگرانی میں خدا کے دین کے مقابل کسی دوسرے دین کی دعوت کو پھیلنے کا موقع دیں۔ اس لئے کہ ایسا موقع دینے کے معنی لازماً یہ ہیں کہ دین پورا کا پورا اللہ کے لئے نہ ہونے پائے اور کسی غلط نظام زندگی کا فتنہ اگر باقی ہے تو وہ اور زیادہ بڑھے۔ آخر وہ خدا کے سامنے گواہی کس چیز کی دیں گے؟ کیا اس چیز کی کہ جہاں تُو نے ہمیں حکمرانی کی طاقت بخشی تھی وہاں ہم تیرے دین کے مقابلے میں ایک فتنے کو سر اٹھانے کا موقع دے آئے ہیں؟

دارالاسلام میں ذمیوں اور مستامنوں کی حیثیت

اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کو اپنے دین پر قائم رہنے کی جو آزادی بخشی گئی ہے اور جزیہ کے معاوضے میں ان کی جان و مال اور ان کی مذہبی زندگی کے تحفظ کا جو ذمہ لیا گیا ہے اس کا مآل زیادہ سے زیادہ بس اتنا ہے کہ جس طریقے پر وہ خود چلنا چاہتے ہیں اس پر چلتے رہیں۔ اس سے تجاوز کر کے اگر وہ اپنے طریقے کو غالب کرنے کی کوشش کریں گے تو کوئی اسلامی حکومت جو اس نام سے موسوم کئے جانے کے قابل ہو، انہیں اس کی اجازت ہرگز نہیں دے سکتی۔ جزیہ کا قانون قرآن مجید کی جس آیت میں بیان ہوا، اس کے صاف الفاظ یہ ہیں کہ: ﴿حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صَاغِرُوْنَ﴾ یعنی ''یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور چھوٹے بن کر رہیں''۔ اس آیت کی رو سے ذمیوں کی صحیح پوزیشن اسلامی حکومت میں یہ ہے کہ وہ ''صاغرون'' بنے رہنے پر راضی ہوں ''کابرون'' بننے کی کوشش وہ ذمی ہوتے ہوئے نہیں کر سکتے۔ اسی طرح باہر سے آنے والے غیر مسلم جو مستامن کی حیثیت سے دارالاسلام میں داخل ہوں، تجارت، صنعت وحرفت، سیاست، حصول تعلیم اور دوسرے تمام تمدنی مقاصد کے لئے تو ضرور آ سکتے ہیں، لیکن اس غرض کے لئے ہرگز نہیں آ سکتے کہ اللہ کے کلمہ کے

مقابلہ میں کوئی دوسرا کلمہ بلند کریں۔ اللہ نے کفار کے خلاف جو مدد اپنے پیغمبر کو اور اس کے بعد مسلمانوں کو دی یا آئندہ دے گا اور جس کے نتیجے میں دارالاسلام پہلے قائم ہوا یا آئندہ کبھی قائم ہوگا' اس کی غرض صرف یہ تھی اور آئندہ بھی یہی ہوگی کہ کفر کا بول نیچا ہو اور اللہ کا بول بالا ہو کر رہے۔

﴿فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ؕ﴾

(التوبة: ٤٠)

''اُس وقت اللہ نے اس پر اپنی طرف سے سکون قلب نازل کیا اور اس کی مدد ایسے لشکروں سے کی جو تم کو نظر نہ آتے تھے اور کافروں کا بول نیچا کر دیا اور اللہ کا بول اونچا ہی ہے''۔

پس مسلمان سخت احسان فراموش اور کافر نعمت ہوں گے اگر اللہ کی اس مدد سے فائدہ اٹھانے کے بعد وہ اپنی حدود اختیار میں كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا کو سُفْلٰی سے پھر عُلْیَا ہونے کے لئے کوشش کرنے دیں۔

دورِ نبوت اور خلافت راشدہ کا طرزِ عمل

نبی اکرم ﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانے میں حکومت کی مستقل پالیسی یہی تھی جو اوپر بیان ہوئی۔ عرب میں مسیلمہ' اسود عنسی' طلحہ اسدی' سجاح' لقیط بن مالک ازدی اور ان کے سوا جو بھی اسلام کے مقابلے پر کوئی دعوت لے کر اٹھا اسے بزور دبا دیا گیا۔ جن غیر مسلم قوموں نے جزیہ پر معاہدہ کر کے اسلامی حکومت میں ذمی بن کر رہنا قبول کیا ان میں سے اکثر کے معاہدے لفظ بہ لفظ حدیث اور تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں۔ ان میں تمام حقوق و مراعات کی تفصیل پائی جاتی ہے مگر اس ''حق'' کا ذکر نہیں ہے کہ وہ اپنے دین کی دعوت حدودِ دارالاسلام میں پھیلا سکیں گے۔ جن غیر مسلموں کو مسلمانوں نے خود اپنی فیاضی سے ذمیت کے حقوق عطا کئے' ان کے حقوق کی تفصیل بھی فقہ کی کتابوں میں موجود ہے' مگر اس نام نہاد ''حق'' کے ذکر سے وہ بھی خالی ہیں۔ مستامن بن کر باہر سے آنے والے غیر مسلموں کے ساتھ حکومت اسلامی کا معاملہ

جیسا کچھ بھی ہونا چاہئے اس کو فقہاء نے پوری وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے' اس میں بھی کہیں کوئی اشارہ تک ہمیں ایسا نہیں ملتا کہ اسلامی حکومت کسی ایسے شخص کو آ کر اپنی حدود میں کام کرنے کی اجازت دے سکتی ہے جو کسی دوسرے مذہب و مسلک کا پرچار کرنا چاہتا ہو۔ اب اگر بعد کے دنیا پرست ''خلفاء'' اور بادشاہوں نے اس کے خلاف کوئی عمل کیا ہے تو وہ اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ اسلام کا قانون اس کی اجازت دیتا ہے' بلکہ وہ دراصل اس کا ثبوت ہے کہ یہ لوگ حقیقی اسلامی حکومت کے فرائض سے ناواقف یا ان سے منحرف ہو چکے تھے۔ ''رواداری'' کے موجودہ تصور کو جن لوگوں نے معیارِ حق سمجھ رکھا ہے وہ بڑے فخر کے ساتھ یہ کارنامے داد طلبی کے لئے غیر مسلموں کے سامنے پیش کر سکتے ہیں کہ فلاں مسلمان بادشاہ نے غیر مسلم معبدوں اور مدرسوں کے لئے اتنی جائیدادیں وقف کیں' اور فلاں کے دور میں ہر مذہب وملت کے لوگوں کو اپنے اپنے دین کے پرچار کی پوری آزادی حاصل تھی۔ مگر اسلامی نقطہ نظر سے یہ سب کارنامے ان بادشاہوں کے جرائم کی فہرست میں لکھے جانے کے قابل ہیں۔

تبلیغ کفر کے باب میں اسلامی رویہ کی معقولیت

اگر اسلامی حکومت کے دائرے میں تبلیغ کفر کی اجازت نہیں ہے تو عقلی حیثیت سے اس ممانعت کو کیسے جائز قرار دیا جا سکتا ہے؟

اس باب میں کوئی بحث کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ جس تبلیغ کفر کی اسلام ممانعت کرتا ہے اس کی نوعیت واضح طور پر سمجھ لی جائے۔ اسلام اس چیز میں مانع نہیں ہے کہ دارالاسلام کی حدود میں کوئی غیر مسلم اپنی اولاد کو اپنے مذہب کی تعلیم دے یا اپنے مذہب کے عقائد اور اصول لوگوں کے سامنے تحریر یا تقریر کے ذریعے سے بیان کرے یا اسلام پر اگر وہ کچھ اعتراضات رکھتا ہو تو انہیں تہذیب کے ساتھ تقریر و تحریر میں پیش کرے۔ نیز اسلام اس میں بھی مانع نہیں ہے کہ کسی غیر مسلم کے خیالات سے متاثر ہو کر دارالاسلام کی ذمی رعایا میں سے کوئی شخص اس کا مذہب قبول کرے۔ ممانعت دراصل جس چیز کی ہے وہ یہ ہے کہ کسی مذہب یا نظام فکر و عمل کی تائید میں کوئی ایسی منظم تحریک اٹھائی جائے جو دارالاسلام کی حدود میں رہنے والوں کو اس مذہب یا نظام کی طرف

دعوت دیتی ہو۔ ایسی منظم دعوت، قطع نظر اس سے کہ وہ ذمیوں میں سے اٹھے یا باہر سے آنے والے غیر مسلموں کی طرف سے، بہر حال اسلام اپنی حدود میں اس کے ظہور کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔

اس کی صاف اور سیدھی وجہ یہ ہے کہ ایک منظم دعوت لامحالہ یا تو سیاسی نوعیت کی ہوگی یا مذہبی و اخلاقی نوعیت کی۔ اگر وہ سیاسی نوعیت کی ہو اور اس کے پیش نظر نظامِ زندگی کا تغیر ہو تو جس طرح دنیا کی ہر ریاست ایسی دعوت کی مزاحمت کرتی ہے اسی طرح اسلامی ریاست بھی کرتی ہے۔ اور اگر وہ دوسری نوعیت کی ہو تو خالص دُنیوی ریاستوں کے برعکس اسلام اسے اس لئے گوارا نہیں کر سکتا کہ کسی اعتقادی و اخلاقی گمراہی کو اپنی نگرانی و حفاظت میں سر اٹھانے کا موقع دینا قطعی طور پر اس مقصد کی ضد ہے جس کے لئے اسلام زمام کار اپنے ہاتھ میں لیتا ہے۔ اس معاملہ میں خالص دُنیوی حکومتوں کا طرزِ عمل اسلامی حکومت کے طرزِ عمل سے یقیناً مختلف ہے، کیونکہ دونوں کے مقاصد حکومت مختلف ہیں۔ دُنیوی حکومتیں ہر جھوٹ، ہر اعتقادی فساد اور ہر قسم کی بدعملی و بداخلاقی کو اور اسی طرح ہر مذہبی گمراہی کو بھی اپنی حدود میں پھیلنے کی اجازت دیتی ہیں اور خوب ڈھیلی رسی چھوڑے رکھتی ہیں جب تک کہ ان مختلف چیزوں کے پھیلانے والے ان کے وفادار رہیں، ان کو ٹیکس ادا کرتے رہیں اور ایسی کوئی حرکت نہ کریں جس سے ان کے سیاسی اقتدار پر آنچ آتی ہو۔ البتہ جن تحریکوں سے اپنے سیاسی اقتدار پر آنچ آنے کا انہیں ذرا سا بھی خطرہ ہو جاتا ہے ان کو خلافِ قانون قرار دینے اور قوت سے کچل دینے میں وہ ذرہ برابر تامل نہیں کرتیں۔ ان کے اس طرزِ عمل کی وجہ یہ ہے کہ انہیں بندگانِ خدا کی اخلاقی و روحانی فلاح سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ ان کے لئے تو اپنا سیاسی اقتدار اور اپنے مادی اغراض ہی سب کچھ ہیں، مگر اسلام کو اصل دلچسپی خدا کے بندوں کی روحانی و اخلاقی فلاح ہی سے ہے اور اسی کی خاطر وہ انتظامِ ملکی اپنے ہاتھ میں لیتا ہے۔ اس لئے وہ سیاسی فساد یا انقلاب برپا کرنے والی تحریکوں کی طرح ان تحریکوں کو بھی برداشت نہیں کر سکتا جو اخلاقی فساد یا اعتقادی گمراہی پھیلانے والی ہوں۔

اگر غیر مسلم حکومتیں بھی اسلام کی تبلیغ روک دیں؟

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر غیر مسلم حکومتیں بھی اسی طرح اپنی حدود میں اسلام کی دعوت کو خلافِ قانون قرار دے دیں تو کیا ہو؟

اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ اسلام اس قیمت پر حق و صداقت کی اشاعت کی آزادی خریدنا نہیں چاہتا کہ اس کے جواب میں اسے جھوٹ اور باطل کی اشاعت کی آزادی دینی پڑے۔ وہ اپنے پیروؤں سے کہتا ہے کہ ''اگر تم سچے دل سے مجھے حق سمجھتے ہو اور میری پیروی ہی میں اپنی اور انسانیت کی نجات دیکھتے ہو تو میری پیروی کرو، مجھے قائم کرو اور دنیا کو میری طرف دعوت دو خواہ اس کام میں تم کو گلزار ابراہیمؑ سے سابقہ پیش آئے یا آتش نمرود سے گزرنا پڑے۔ یہ تمہارے اپنے ایمان کا تقاضا ہے اور یہ بات تمہاری خدا پرستی پر منحصر ہے کہ اس کی رضا چاہتے ہو تو اس تقاضے کو پورا کرو ورنہ نہ کرو۔ لیکن میرے لئے یہ ناممکن ہے کہ تمہیں اس راہ کی خطرناکیوں سے بچانے اور اس کام کو تمہارے حق میں سہل بنانے کی خاطر باطل پرستوں کو یہ جوابی ''حق'' عطا کروں کہ وہ خدا کے بندوں کو گمراہ کریں اور ایسے راستوں پر انہیں ہانک لے جائیں جن میں مجھے معلوم ہے کہ ان کے لئے تباہی و بربادی کے سوا اور کچھ نہیں ہے''۔

یہ اسلام کا ناقابل تغیر فیصلہ ہے اور اس میں وہ کسی سے مصالحت کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ اگر غیر مسلم حکومتیں آج یا آئندہ کسی وقت اسلام کی تبلیغ کو اسی طرح جرم قرار دیں جس طرح وہ پہلے اسے جرم قرار دیتی رہی ہیں تب بھی اس فیصلہ میں کوئی ترمیم نہ کی جائے گی، بلکہ سچی بات یہ ہے کہ اسلام کے لئے وہ گھڑی بہت منحوس تھی جب کفار کی نگاہ میں وہ اتنا بے ضرر بن گیا کہ اس کی دعوت و تبلیغ کو وہ بخوشی گوارا کرنے لگے اور قانون کفر کی حفاظت و نگرانی میں اسے پھیلنے کی پوری سہولتیں بہم پہنچنے لگیں۔ اسلام کے ساتھ کفر کی یہ رعایتیں حقیقت میں خوش آئند نہیں ہیں۔ یہ تو اس بات کی علامت ہیں کہ اسلام کے قالب میں اس کی روح موجود نہیں رہی ہے۔ ورنہ آج کے کافر کچھ نمرود و فرعون اور ابوجہل و ابولہب سے بڑھ کر نیک دل نہیں ہیں کہ اس

مسلم نما قالب میں اسلام کا اصلی جوہر موجود ہو اور پھر بھی وہ اسے اپنی سرپرستی وحمایت سے سرفراز کریں یا کم از کم اسے پھیلنے کی آزادی ہی عطا کر دیں۔ جب سے ان کی عنایات کی بدولت اسلام کی دعوت محض گلزار ابراہیم کی گلگشت بن کر رہ گئی اسی وقت سے اسلام کو یہ ذلت نصیب ہوئی کہ وہ ان مذاہب کی صف میں شامل کر دیا گیا جو ہر ظالم نظام تمدن وسیاست کے ماتحت آرام کی جگہ پا سکتے ہیں۔ بڑی مبارک ہوگی وہ ساعت جب یہ رعایتیں واپس لے لی جائیں گی اور دین حق کی طرف دعوت دینے والوں کی راہ میں پھر آتش نمرود حائل ہو جائے گی۔ اسی وقت اسلام کو وہ سچے پیرو اور داعی ملیں گے جو طاغوت کا سر نیچا کر کے حق کو اس پر غالب کرنے کے قابل ہوں گے۔

(بشکریہ: ماہنامہ ''بیدار ڈائجسٹ'')

ضرورت رشتہ

دینی مزاج کے حامل گریڈ 19 کے گورنمنٹ آفیسر کو اپنی چوبیس سالہ ایم اے انگلش (گولڈ میڈلسٹ) وزٹنگ پروفیسر' ذاتی پوسٹ گریجویٹ کوچنگ سنٹر کی مالکہ' صوم و صلوٰۃ کی پابند بیٹی کے لئے ہم پلہ رشتہ درکار ہے۔ ذات پات کی کوئی قید نہیں' البتہ لڑکی کا تعلق مغل برادری سے ہے۔

برائے رابطہ: 0438-521665

راجپوت عمر 29 سال امریکہ میں اعلیٰ ملازمت پر فائز کمپیوٹر انجینئر کے لئے تعلیم یافتہ مذہبی فیملی سے خوبصورت' تعلیم یافتہ 20-22 سالہ شرعی پردہ دار لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔

رابطہ: ڈاکٹر غلام رسول لاہور فون: 6827575

عورت : اقبال کے کلام میں

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی کتاب "نقوشِ اقبال" سے ماخوذ
(بسلسلہ "اسلام میں عورت کا مقام")

علامہ اقبال مرحوم کے ان منتخب اشعار کے بحیثیت مجموعی مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ علامہ کے نزدیک شرعی پردے کا اہتمام مسلمان خاتون کے لئے ازحد ضروری ہے اور اسی پردے کے باعث عورت یکسو ہو کر اپنی صلاحیتوں کو اپنے گھر اور خاندان کی تعمیر میں لگا کر بہتر کارگزاری کر سکتی ہے۔ تاہم ضرورت کے تحت پردے کے اہتمام کے ساتھ ساتھ وہ زندگی کی تمام سرگرمیوں میں حصّہ لے سکتی ہے۔ اس ضمن میں فاطمہ (طرابلس کی مجاہدہ) علامہ کے نزدیک ایک مثالی کردار ہے۔ نیز ان اشعار کے مطالعہ سے یہ بات مبرہن ہو کر سامنے آتی ہے کہ علامہ کے نزدیک عورت کی مقدس ترین حیثیت وہ ہے جو ماں اور مامتا کی صورت میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ اسی لئے علامہ معاشرتی اور عائلی زندگی میں ماں کے مقام کو مرکزی مقام قرار دیتے ہیں۔

جدید اردو شاعری میں غالباً حالی اور اقبال ہی دو ایسے شاعر ہیں جن کے یہاں غزلوں میں صنفی آلودگی، عریانیت اور سطحیت نہیں ملتی، بلکہ اس کے برخلاف عورت کے مقام و احترام اور اس کی حیثیت عرفی کو بحال کرنے میں ان دونوں کا بڑا ہاتھ نظر آتا ہے۔

اقبال عورتوں کے لئے وہی طرزِ حیات پسند کرتے تھے جو صدرِ اسلام میں پایا جاتا تھا، جس میں عورتیں مروّجہ برقع کے نہ ہوتے ہوئے بھی شرم و حیاء اور احساسِ عفت و عصمت میں آج سے کہیں زیادہ آگے تھیں، اور شرعی پردے کے اہتمام کے

مسلم نما قالب میں اسلام کا اصلی جوہر موجود ہو اور پھر بھی وہ اسے اپنی سرپرستی وحمایت سے سرفراز کریں یا کم از کم اسے پھلنے کی آزادی ہی عطا کر دیں۔ جب سے ان کی عنایات کی بدولت اسلام کی دعوت محض گلزار ابراہیم کی گلگشت بن کر رہ گئی اسی وقت سے اسلام کو یہ ذلت نصیب ہوئی کہ وہ ان مذاہب کی صف میں شامل کر دیا گیا جو ہر ظالم نظام تمدن وسیاست کے ماتحت آرام کی جگہ پا سکتے ہیں۔ بڑی مبارک ہو گی وہ ساعت جب یہ رعایتیں واپس لے لی جائیں گی اور دین حق کی طرف دعوت دینے والوں کی راہ میں پھر آتش نمرود حائل ہو جائے گی۔ اسی وقت اسلام کو وہ سچے پیرو اور داعی ملیں گے جو طاغوت کا سر نیچا کر کے حق کو اس پر غالب کرنے کے قابل ہوں گے۔

(بشکریہ: ماہنامہ ''بیدار ڈائجسٹ'')

ضرورت رشتہ

دینی مزاج کے حامل گریڈ 19 کے گورنمنٹ آفیسر کو اپنی چوبیس سالہ ایم اے انگلش (گولڈ میڈلسٹ) وزٹنگ پروفیسر' ذاتی پوسٹ گریجویٹ کوچنگ سنٹر کی مالکہ' صوم و صلوٰۃ کی پابند بیٹی کے لئے ہم پلہ رشتہ درکار ہے۔ ذات پات کی کوئی قید نہیں' البتہ لڑکی کا تعلق مغل برادری سے ہے۔

برائے رابطہ: 0438-521665

راجپوت عمر 29 سال امریکہ میں اعلیٰ ملازمت پر فائز کمپیوٹر انجینئر کے لئے تعلیم یافتہ مذہبی فیملی سے خوبصورت' تعلیم یافتہ 20-22 سالہ شرعی پردہ دار لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔

رابطہ: ڈاکٹر غلام رسول لاہور فون: 6827575

عورت : اقبال کے کلام میں

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی کتاب "نقوشِ اقبال" سے ماخوذ
(بسلسلہ "اسلام میں عورت کا مقام")

علامہ اقبال مرحوم کے ان منتخب اشعار کے بحیثیت مجموعی مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ علامہ کے نزدیک شرعی پردے کا اہتمام مسلمان خاتون کے لئے ازحد ضروری ہے اور اسی پردے کے باعث عورت یکسو ہو کر اپنی صلاحیتوں کو اپنے گھر اور خاندان کی تعمیر میں لگا کر بہتر کارگزاری کر سکتی ہے۔ تاہم ضرورت کے تحت پردے کے اہتمام کے ساتھ ساتھ وہ زندگی کی تمام سرگرمیوں میں حصّہ لے سکتی ہے۔ اس ضمن میں فاطمہ (طرابلس کی مجاہدہ) علامہ کے نزدیک ایک مثالی کردار ہے۔ نیز ان اشعار کے مطالعہ سے یہ بات مبرہن ہو کر سامنے آتی ہے کہ علامہ کے نزدیک عورت کی مقدس ترین حیثیت وہ ہے جو ماں اور مامتا کی صورت میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ اسی لئے علامہ معاشرتی اور عائلی زندگی میں ماں کے مقام کو مرکزی مقام قرار دیتے ہیں۔

جدید اردو شاعری میں غالباً حالی اور اقبال ہی دو ایسے شاعر ہیں جن کے یہاں غزلوں میں صنفی آلودگی، عریانیت اور سطحیت نہیں ملتی، بلکہ اس کے برخلاف عورت کے مقام و احترام اور اس کی حیثیت عرفی کو بحال کرنے میں ان دونوں کا بڑا ہاتھ نظر آتا ہے۔

اقبال عورتوں کے لئے وہی طرزِ حیات پسند کرتے تھے جو صدرِ اسلام میں پایا جاتا تھا، جس میں عورتیں مروّجہ برقع کے نہ ہوتے ہوئے بھی شرم و حیاء اور احساسِ عفت و عصمت میں آج سے کہیں زیادہ آگے تھیں، اور شرعی پردے کے اہتمام کے

ساتھ ساتھ زندگی کی تمام سرگرمیوں میں حصہ لیتی تھیں۔

۱۹۱۲ء میں طرابلس کی جنگ میں جب ان کو اس کا ایک نمونہ دیکھنے کو ملا، یعنی ایک عرب لڑکی فاطمہ بنت عبداللہ غازیوں کو پانی پلاتے ہوئے شہید ہوئی تو انہوں نے اس کا زوردار ماتم کیا:

فاطمہ! تو آبروئے اُمت مرحوم ہے — ذرّہ ذرّہ تیری مشت خاک کا معصوم ہے
یہ سعادت حور صحرائی تری قسمت میں تھی — غازیانِ دیں کی سقائی تری قسمت میں تھی
یہ جہاد اللہ کے رستے میں بے تیغ و سپر — ہے جسارت آفریں شوقِ شہادت کس قدر
یہ کلی بھی اس گلستانِ خزاں منظر میں تھی — ایسی چنگاری بھی یارب اپنے خاکستر میں تھی!
اپنے صحرا میں بہت آہو ابھی پوشیدہ ہیں — بجلیاں برسے ہوئے بادل میں بھی خوابیدہ ہیں
فاطمہ! گو شبنم افشاں آنکھ تیرے غم میں ہے — نغمۂ عشرت بھی اپنے نالۂ ماتم میں ہے!
رقص تیری خاک کا کتنا نشاط انگیز ہے — ذرہ ذرہ زندگی کے سوز سے لبریز ہے
ہے کوئی ہنگامہ تیری تربت خاموش میں — پل رہی ہے ایک قومِ تازہ اس آغوش میں

انہیں ہنروران ہند اور ایسے تمام فن کاروں سے شکایت تھی جو عورت کے نام کا غلط استعمال کر کے ادب کی پاکیزگی، بلندی اور مقصدیت کو صدمہ پہنچاتے ہیں۔ وہ اپنی ایک نظم میں کہتے ہیں :

چشم آدم سے چھپاتے ہیں مقاماتِ بلند — کرتے ہیں روح کو خوابیدہ بدن کو بیدار
ہند کے شاعر و صورت گر و افسانہ نویس — آہ بیچاروں کے اعصاب پہ عورت ہے سوار

وہ "دخترانِ ملت" سے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مسلمان خاتون کے لئے دلبری اور بناؤ سنگار ایک معنی میں کفر ہے، بلکہ انہیں تو اپنی شخصیت، انقلابی فطرت اور پاکیزہ نگاہی سے باطل کی امیدوں پر پانی پھیر دینا چاہئے۔

بمل اے دخترک ایں دلبری ہا — مسلماں را نہ زیبد کافری ہا
منہ دل بر جمالِ غازہ پرور — بیاموز از نگہ غارت گری ہا

وہ کہتے ہیں کہ مسلمان عورت کو پردہ کے اہتمام کے ساتھ بھی معاشرہ اور

زندگی میں اس طرح رہنا چاہئے کہ اس کے نیک اثرات معاشرہ پر مرتب ہوں اور اس کے پَرتو سے حریم کائنات اس طرح روشن رہے جس طرح ذاتِ باری کی تجلی حجاب کے باوجود کائنات پر پڑ رہی ہے۔ ؎

ضمیر عصر حاضر بے نقاب ست　　کشادش در نمود رنگ آب ست
جہاں تابی ز نورِ حق بیاموز　　کہ او با صد تجلی در حجاب ست

وہ دنیا کی سرگرمیوں کی اصل ماؤں کی ذات کو قرار دیتے ہیں' اور کہتے ہیں کہ ان کی ذات امین ممکنات اور انقلاب انگیز مضمرات کی حامل ہے۔ اور جو قومیں ماؤں کی قدر نہیں کرتیں ان کا نظامِ زندگی سنبھل نہیں سکتا۔ ؎

جہاں را محکمی از امہات ست　　نہادِ شاں امین ممکنات ست
اگر ایں نکتہ را قومے نداند　　نظامِ کاروبارش بے ثبات ست

وہ اپنی صلاحیتوں اور کارناموں کو اپنی والدۂ محترمہ کا فیض نظر بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آداب و اَخلاق تعلیم گاہوں سے نہیں' ماؤں کی گود سے حاصل ہوتے ہیں۔ ؎

مرا داد ایں خرد پرور جنونے　　نگاہِ مادرِ پاک اندرونے
ز مکتب چشم و دل نتواں گرفتن　　کہ مکتب نیست جز سحر و فسونے

وہ قوموں کی تاریخ اور ان کے ماضی و حال کو ان کی ماؤں کا فیض قرار دیتے ہیں' اور کہتے ہیں کہ ماؤں کی پیشانیوں پر جو لکھا ہوتا ہے وہی قوم کی تقدیر ہوتی ہے۔ ؎

خنک آں ملتے کز وارداتش　　قیامت ہا بہ بیند کائناتش
چہ پیش آید چہ پیش افتاد او را　　تواں دید از جبین اُمہاتش

وہ ملت کی خواتین کو دعوت دیتے ہیں کہ ملت کی تقدیر سازی کا کام کریں' اور ملت کی شامِ الم کو صبح بہار سے بدل دیں' اور وہ اس طرح کہ گھروں میں قرآن کا فیض عام کریں جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ نے اپنی قرآن خوانی سے ان کی تقدیر بدل

دی اور اپنے لحن ولہجہ کے سوز وساز سے ان کے دل کو گداز کر دیا تھا۔ ؎

ز شامِ ما بروں آور سحر را　　بہ قرآں باز خواں اہل نظر را
تو می دانی کہ سوزِ قرأت تو　　دگرگوں کرد تقدیرِ عمرؓ را

اقبال معاشرتی اور عائلی زندگی میں ماں کے مرکزی مقام کے قائل ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ خاندانی نظام میں جذبۂ امومت اصل کا حکم رکھتا ہے اور اسی کے فیض سے نسل انسانیت کا باغ لہلہاتا رہتا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ جس طرح گھر سے باہر کی زندگی میں مَردوں کو فوقیت حاصل ہے' اسی طرح گھر کے اندر کی سرگرمیوں میں عورت اور خصوصاً ماں کی اہمیت ہے' اس لئے کہ اس کے ذمہ نئی نسل کی داشت و پرداخت اور دیکھ بھال ہوتی ہے۔ انسان کا پہلا مدرسہ ماں کی گود ہوتی ہے۔ ماں جتنی مہذب' شائستہ اور بلند خیال ہوگی' بچّے پر بھی اتنی ہی جلدی یہ اثرات مرتب ہوں گے اور ایک اچھّی اور قابل فخر نسل تربیت پا سکے گی۔ ؎

وہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیلؑ کو آدابِ فرزندی!

اقبال کی نظر میں عورت کا شرف و امتیاز اس کے ماں ہونے کی وجہ سے ہے۔ جو قومیں امومت (حق مادری) کے آداب نہیں بجالاتیں تو ان کا نظام ناپائیدار اور بے اساس ہوتا ہے' اور خاندانی امن وسکون درہم برہم ہو جاتا ہے' افرادِ خاندان کا باہمی اتحاد و اعتماد ختم ہو جاتا ہے' چھوٹے بڑے کی تمیز اُٹھ جاتی ہے اور بالآخر اقدارِ عالیہ اور اَخلاقی خوبیاں دم توڑ دیتی ہیں۔ ان کے خیال میں مغرب کا اَخلاقی بحران اسی لئے رونما ہوا ہے کہ وہاں ماں کا احترام اور صنفی پاکیزگی ختم ہو گئی ہے۔

وہ آزادیٔ نسواں کی تحریک کے اسی لئے حامی نہیں کہ اس کا نتیجہ دوسرے انداز میں عورتوں کی غلامی ہے۔ اس سے ان کی مشکلات آسان نہیں اور پیچیدہ ہو جائیں گی' اور انسانیت کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوگا کہ جذبۂ امومت ختم ہو جائے گا' ماں کی مامتا کی روایت کمزور پڑ جائے گی۔ اسی لئے وہ کہتے ہیں کہ جس علم سے

عورت اپنی خصوصیات کھو دیتی ہے' وہ علم نہیں بلکہ موت ہے' اور فرنگی تہذیب قوموں کو اسی موت کی دعوت دے رہی ہے۔ ؎

تہذیب فرنگی ہے اگر مرگِ امومت ہے حضرتِ انساں کے لئے اس کا ثمر موت
جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن کہتے ہیں اُسی علم کو اربابِ نظر موت
بیگانہ رہے دیں سے اگر مدرسۂ زن ہے عشق و محبت کے لئے علم و ہنر موت

علمِ او بارِ امومت بر نتافت برسر شاخش یکے اختر نتافت
ایں گل از بستانِ ما نا رستہ بہ داغش از دامانِ ملت شستہ بہ

اقبال کے خیال میں آزادئ نسواں ہو یا آزادئ رجال یہ دونوں کوئی معنی نہیں رکھتے بلکہ مَرد و زن کا ربط باہمی' ایثار اور تعاون ایک دوسرے کے لئے ضروری ہے۔ زندگی کا بوجھ ان دونوں کو مل کر اٹھانا اور زندگی کو آگے بڑھانا ہے۔ ایک دوسرے سے عدم تعاون کے سبب زندگی کا کام ادھورا اور اس کی رونق پھیکی ہو جائے گی اور بالآخر یہ نوعِ انسانی کا نقصان ہو گا۔

مَرد و زن وابستۂ یک دیگر اند کائناتِ شوق را صورت گر اند
زن نگہ دارندۂ نارِ حیات فطرتِ او لوحِ اسرارِ حیات
آتش ما را بجانِ خود زند جوہر او خاک را آدم کند
در ضمیرش ممکناتِ زندگی از تب و تابش ثباتِ زندگی
ارجِ ما از ارجمندی ہائے او با ہمہ از نقشبندی ہائے او

اقبال فرماتے ہیں کہ عورت اگر علم و ادب کی کوئی بڑی خدمت انجام نہ دے سکے تب بھی صرف اس کی مامتا ہی قابل قدر ہے جس کے طفیل مشاہیر عالم پروان چڑھتے ہیں اور دنیا کا کوئی انسان نہیں جو اس کا ممنون احسان نہیں۔ ؎

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں
شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشت خاک اسکی کہ ہر شرف ہے اسی درج کا دُرِ مکنوں

مکالماتِ فلاطوں نہ لکھ سکی لیکن اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرارِ افلاطوں!

آزادیٔ نسواں کی تحریک سے مَرد و زن کا رشتہ جس طرح کٹا اور اس کے جو برے نتائج سامنے آئے، اقبال کی نظر میں اس کی ذمہ دار مغربی تہذیب ہے۔ "مَرد فرنگ" کے عنوان سے کہتے ہیں :

ہزار بار حکیموں نے اس کو سلجھایا — مگر یہ مسئلہ زن رہا وہیں کا وہیں
قصور زن کا نہیں ہے کچھ اس خرابی میں — گواہ اس کی شرافت پہ ہیں مہ و پروین
فساد کا ہے فرنگی معاشرت میں ظہور — کہ مَرد سادہ ہے بیچارہ زن شناس نہیں

کوئی پوچھے حکیم یورپ سے — ہند و یوناں ہیں جس کے حلقہ بگوش
کیا یہی ہے معاشرت کا کمال؟ — مَرد بے کار و زن تہی آغوش!

اقبال پردے کی حمایت میں کہتے ہیں کہ پردہ عورت کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں، وہ پردے میں رہ کر تمام جائز سرگرمیوں میں حصّہ لے سکتی ہے اور اپنے فرائض کی انجام دہی کر سکتی ہے، کیونکہ خالق کائنات پس پردہ ہی کارگاہِ عالم کو چلا رہا ہے۔ اُس کی ذات گو حجابِ قدس میں ہے، لیکن اس کی صفات کی پرچھائیاں بحر و بر پر پھیلی ہوئی ہیں۔ مولانا آسی نے خوب کہا ہے ؎

بے حجابی یہ کہ ہر شے سے ہے جلوہ آشکار
اس پہ پردہ یہ کہ صورت آج تک نادیدہ ہے!

اقبال عورت کو خطاب کرتے ہیں کہ ؎

جہاں تابی ز نورِ حق بیاموز
کہ او با صد تجلی در حجاب است

وہ پردہ کے مخالفوں کے جواب میں کہتے ہیں کہ پردہ جسم کا حجاب ہے، لیکن اسے عورت کی بلند صفات اور پنہاں امکانات کے لئے رکاوٹ کیسے کہا جا سکتا ہے۔ اصل سوال یہ نہیں ہے کہ چہرے پر پردہ ہو یا نہ ہو، بلکہ یہ ہے کہ شخصیت اور حقیقت ذات

پر پردے نہ پڑے ہوں' اور انسان کی خودی بیدار اور آشکار ہو چکی ہو۔ ؎

بہت رنگ بدلے سپہر بریں نے خدایا یہ دنیا جہاں تھی وہیں ہے
تفاوت نہ دیکھا زن و شو میں مَیں نے وہ خلوت نشیں ہے' یہ جلوت نشیں ہے
ابھی تک ہے پردے میں اولادِ آدم کسی کی خودی آشکارا نہیں ہے

پردے کی حمایت و تائید میں اقبال نے "خلوت" کے عنوان سے ایک نظم کہی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ پردہ کی وجہ سے عورت کو یکسو ہو کر اپنی صلاحیتوں کو نسلوں کی تربیت پر صرف کرنے اور اپنی ذات کے امکانات کو سمجھنے کا موقع ملتا ہے' اس کے ساتھ ہی اسے سماجی خرابیوں سے الگ رہ کر اپنے گھر اور خاندان کی تعمیر کا سامان میسر آتا ہے۔ گھر کے پُرسکون ماحول کے اندر اسے زندگی کے مسائل اور معاشرتی موضوعات کو سوچنے سمجھنے کی آسانیاں ملتی ہیں اور اس طرح وہ اپنے اور دوسروں کے لئے بہتر کارگزاری کر سکتی ہے۔ ؎

رسوا کیا اس دَور کو جلوت کی ہوس نے روشن ہے نگہ آئینہ دل ہے مکدر
بڑھ جاتا ہے جب ذوقِ نظر اپنی حدوں سے ہو جاتے ہیں افکار پراگندہ و ابتر
آغوشِ صدف جس کے نصیبوں میں نہیں ہے وہ قطرۂ نیساں کبھی بنتا نہیں گوہر!

خلوت میں خودی ہوتی ہے خود گیر و لیکن
خلوت نہیں اب دیر و حرم میں بھی میسر

ایک بڑا معاشرتی سوال یہ رہا ہے کہ مَرد و زن کے تعلق میں بالادستی (Upper Hand) کسے حاصل ہو؟ اس لئے کہ دنیا کا کوئی بھی تعلق ہو اس میں کوئی ایک فریق شریک غالب کی حیثیت ضرور رکھتا ہے اور یہ اس کائناتی حقیقت پر مبنی ہے کہ ہر شے اور ہر انسان ایک دوسرے کا محتاج ہے اور ہر ایک' ایک دوسرے کی تکمیل کرتا ہے' خصوصاً مَرد و زن کے تعلقات میں چند چیزوں میں مَرد کو عورت پر فضیلت اور اوّلیت حاصل ہے اور یہ بھی کسی نسلی اور صنفی تفریق کی بنا پر نہیں بلکہ خود عورت کے حیاتیاتی' عضویاتی فرق اور فطرت کے لحاظ کے ساتھ اس کے حقوق و

مصالح کی رعایت کے پیش نظر ہے ـــــ نگرانی اور "قوامیت" ایسی چیز نہیں جو مرد اور عورت دونوں کے سپرد کردی جاتی یا عورت کو دے دی جاتی۔ اقبال نے مغرب کی نام نہاد "آزادئ نسواں" کی پروا کئے بغیر عورت کے بارے میں اسلامی تعلیمات کی پُرزور وکالت کی اور عورت کی حفاظت کے عنوان سے کہا ؎

اِک زندہ حقیقت مرے سینے میں ہے مستور　　کیا سمجھے گا وہ جس کی رگوں میں ہے لہو سرد!
نے پردہ نہ تعلیم، نئی ہو کہ پرانی　　نسوانیت زن کا نگہباں ہے فقط مرد
جس قوم نے اس زندہ حقیقت کو نہ پایا　　اُس قوم کا خورشید بہت جلد ہوا زرد

یہ نظم درحقیقت حدیث شریف ((لَنْ یُفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا عَلَیْهِمْ اِمْرَاَةً)) کی ترجمانی ہے۔ انہوں نے اپنی دوسری نظم میں فرمایا ؎

جوہر مرد عیاں ہوتا ہے بے منت غیر　　غیر کے ہاتھ میں ہے جوہر عورت کی نمود
راز ہے اس کے تپ غم کا یہی نکتۂ شوق　　آتشیں لذتِ تخلیق سے ہے اس کا وجود
کھلتے جاتے ہیں اسی آگ سے اسرارِ حیات　　گرم اسی آگ سے ہے معرکہ بود و نمود
میں بھی مظلوم نسواں سے ہوں غمناک بہت　　نہیں ممکن مگر اس عقدۂ مشکل کی کشود

اقبال اپنے کلام میں آنحضور ﷺ کے وہ بلند ارشادات بھی لائے ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ :

((حُبِّبَ اِلَیَّ مِنْ دُنْیَاکُمُ الطِّیْبُ وَالنِّسَاءُ وَجُعِلَتْ قُرَّةُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوةِ))

"مجھے دنیا کی چیزوں میں خوشبو اور عورتیں پسند کرائی گئی ہیں، اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔"

اقبال نے اس حدیث کا بھی حوالہ دیا ہے کہ "جنت ماؤں کے قدموں تلے ہے"۔ انہوں نے امومت کو رحمت کہا ہے، اور اسے نبوت سے تشبیہہ دی ہے۔ ماں کی شفقت کو وہ پیغمبر کی شفقت کے قریب کہتے ہیں، اس لئے کہ اس سے بھی اقوام کی سیرت سازی ہوتی ہے اور ایک ملت وجود میں آتی ہے ؎

آن یکے شمع شبستانِ حرم — حافظ جمعیت خیر الامم
سیرتِ فرزند ہا از اُمہات — جوہر صدق و صفا از اُمہات
آنکہ نازد بر وجودش کائنات — ذکر او فرمود با طیب و صلوٰۃ
گفت آں مقصودِ حرفِ کن فکاں — زیر پائے اُمہات آمد جناں
نیک اگر بینی امومت رحمت است — زانکہ او را با نبوت نسبت است
شفقت او شفقت پیغمبر است — سیرتِ اقوام را صورت گر است
از امومت پختہ تر تعمیر ما — در خط سیمائے اُو تقدیر ما
آب بند نخل جمعیت توئی — حافظ سرمایہ ملت توئی
ہوشیار از دست بردِ روزگار — گیر فرزندانِ خود را در کنار

اخیر میں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ اقبال حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو ملت اسلامیہ کی ماؤں کے لئے مثالی خاتون سمجھتے ہیں اور جگہ جگہ ان کی اتباع کی تاکید کرتے ہیں کہ وہ کس طرح چکی پیستے ہوئے بھی قرآن پڑھتی رہتی تھیں اور گھریلو کاموں میں مشکیزہ تک اٹھانے پر صبر فرماتی تھیں۔ اقبال کے خیال میں سیرت کی اسی پختگی سے حضرات حسنین رضی اللہ عنہما ان کی آغوش سے نکلے۔ ؎

مزرعِ تسلیم را حاصل بتول ؓ — مادراں را اسوۂ کامل بتول ؓ
آں ادب پروردۂ صبر و رضا — آسیا گرداں و لب قرآں سرا
فطرتِ تو جذبہ ہا دارد بلند — چشم ہوش از اسوۂ زہرا ؓ بلند
تا حسنے ؓ شاخِ تو بار آورد — موسم پیشیں بہ گلزار آورد!

وہ مسلمان خاتون کو وصیت کرتے ہیں کہ ؎

اگر پندے ز درویشے پذیری — ہزار امت بمیرد تو نمیری
بتولے ؓ باش و پنہاں شو ازیں عصر — کہ در آغوش شبیرے ؓ بگیری!

تہذیبوں کی جنگ
فیصلہ کن مرحلے میں

مولانا غلام اللہ خان حقانی

امریکہ نے اپنے اتحادیوں کے ساتھ مل کر امارتِ اسلامیہ افغانستان پر جو حملہ کیا اسے امریکہ اور اس کے حواری دہشت گردی کے خلاف ایک مہم قرار دے رہے ہیں' جبکہ دنیا جانتی ہے کہ یہ مہم جو امریکہ نے شروع کی ہے' کثیر المقاصد امور کے حصول کے لئے شروع کی گئی ہے اور یہ رائے مبنی بر حقیقت ہے۔ اس لئے کہ امریکہ کے پیش نظر اس مہم سے درج ذیل مقاصد کا حصول ہے:

۱) اسلام کی ابھرتی ہوئی قوت جو کہ ایک بارڈر کے آر پار پاکستان میں مذہبی عناصر کی شکل میں اور افغانستان میں طالبان حکومت کی شکل میں پروان چڑھ رہی تھی' کو یکسر ختم کرنا۔

۲) جنوبی ایشیا میں چین کے پر کاٹ کر اسے تنہا کرنا۔

۳) پاکستان کی جوہری طاقت کو ختم کرنا۔

۴) احیائی تحاریک بالخصوص جہادی تنظیموں کو کچل دینا۔

۵) اس خطے میں ہندوستان کو ایک غالب قوت کے طور پر اس کے ہمسایوں سے منوانا۔

۶) پوری دنیا پر مغربی تہذیب اور اپنی چودھراہٹ مسلط کرنا۔

۷) مسلم فنڈامنٹلزم کا خاتمہ۔

۸) انسانوں کو انسانیت سے عاری کر کے انہیں یہود کا غلام بنانا۔

ان مقاصد کے حصول کے لئے یہود پچھلے دو تین سو سال سے سرگرم عمل ہیں۔ اس کام کی انجام دہی کے لئے انہوں نے باقاعدہ تنظیمیں بنائیں۔ ان تنظیموں پر مستزاد دنیا

میں جتنے بھی بڑے بڑے انتظامی ادارے ہیں ان پر بھی یہود کا کنٹرول ہے۔ ملک امریکہ دراصل یہود کا بنایا ہوا خود ساختہ ملک ہے۔ اس سے پہلے وہ برطانیہ اور فرانس کو وجود میں لایا۔ ان ممالک کی آبادی اگرچہ عیسائی ہے لیکن ان پر بالادستی اور تسلط یہود کو حاصل ہے۔ یہی بات علامہ اقبال نے یورپ میں اپنے مشاہدے کے بعد واپسی پر کہی تھی ع فرنگ کی رگِ جاں پنجۂ یہود میں ہے!

گویا کہ عیسائی دنیا جن وسائل کے ساتھ زندہ ہے اور ان کی رگِ جان میں جو خون دوڑ رہا ہے وہ وسائل اور خون یہود ہی کا مہیا کردہ ہے۔ آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک پر یہود کا قبضہ ہے جو کہ دنیا کے تمام مالی معاملات میں فیصلہ کن رول ادا کرتے ہیں۔ تجارت کے سب سے بڑے ادارے ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن پر یہود ہی کی اجارہ داری ہے۔ بین الاقوامی دفاعی ادارہ نیٹو بھی یہود ہی کے کنٹرول میں ہے۔ ٹریپ جو کہ زراعت کے معاملات کا ادارہ ہے' اس کے کرتا دھرتا بھی یہود ہی ہیں۔ اقوام متحدہ' سلامتی کونسل اور یورپی یونین امریکہ کی من مانیوں کو جو کہ دراصل یہود ہی کی من مانیاں ہیں' پوری دنیا پر مسلط کرنے کے لئے بنائی گئی ہیں اور یہ یہود کے خود ساختہ ادارے ہیں۔

اس پس منظر میں امریکہ واقعتاً ایک بہت بڑی قوت کا حامل ملک ہے جسے بظاہر اپنے مقاصد کے حصول میں کوئی دشواری پیش نہیں آ سکتی۔ روس کی بھی ہم نے superiority کی باتیں سنی تھیں مگر وہ superiority جو امریکہ کو حاصل ہے روس کو حاصل نہیں ہو سکی تھی۔ مذکورہ بالا اداروں نے اس کو واقعتاً ایک حقیقی مادی طاقت بنایا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ سرد جنگ کے بعد جب روس کی وہ حیثیت ختم ہوئی جو چند وجوہ کی بناء پر امریکہ کے لئے باعث تشویش تھی تو امریکہ نے sole supreme ہونے کا اعلان کیا۔ اس غالب حیثیت کی دہائی اگرچہ ۱۹۹۲ء سے امریکہ میں بازگشت کرتے ہوئے سنی گئی تھی مگر جب کلنٹن نے مارچ ۲۰۰۰ء میں جنوبی ایشیا کا دورہ کیا تھا اس موقع پر اس نے کھل کر جنوبی ایشیا کے حکمرانوں سے کہا تھا کہ اب دنیا میں وہی ہوگا جو ہم چاہیں گے' لہٰذا ہم جو نظامِ زندگی دنیا کو دینا چاہتے ہیں دنیا اسے تسلیم کرے' ورنہ پھر

جنگ کے لئے تیار ہو جائے۔ یہ جنگ تہذیب وتمدن کی جنگ ہوگی اور اس جنگ میں ہم فاتح قوم کی حیثیت سے دنیا پر حکمرانی کریں گے۔ وہ تہذیب جس کے لئے امریکہ جنگ لڑنے پر آمادہ ہے' کیا ہے؟ ذیل میں اس کے Salient Features یعنی نمایاں اوصاف درج کئے جاتے ہیں۔

۱) اس تہذیب کا نمایاں وصف liberalism یا آزاد خیالی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جو جی میں آئے کر گزرو۔ جو چاہو سو چو اور جو چاہو بکو' خواہ کسی کے مذہب کے خلاف ہرزہ سرائی ہو یا کسی کے دینی شعائر کی بے حرمتی ہو۔ حضرت عیسیٰؑ کو خواہ کوئی خدا کہے یا خدا کا بیٹا' اور خواہ کوئی آپ کو نعوذ باللہ حرامی قرار دے' کسی پر کوئی پابندی نہ ہو۔ کلنٹن نے تو یہاں تک کہا کہ '' دیکھو! میں عیسائی ہوں' مگر یہودی حضرت عیسیٰؑ کو حرامی کہہ رہے ہیں مگر ہم ان کے خلاف کچھ نہیں کرتے' اس لئے کہ یہ liberalism کا دور دورہ ہے''۔ لہٰذا انہوں نے ہم پاکستانیوں کو بھی ترغیب وتشویق دلائی کہ محمد ﷺ یا آپؐ کی ازواجِ مطہرات کے خلاف کوئی گستاخی کرے تو مسلمانوں میں سن کر برداشت کرنے کا حوصلہ ہونا چاہئے۔ سلمان رشدی یا تسلیمہ نسرین نے اگر گستاخی کی ہے تو یہ تہذیب ان کو ایسا کرنے کی اجازت دیتی ہے۔ پھر قادیانیوں کو اپنے قومی تشخص سے کاٹ پھینکنا بھی انصاف نہیں۔ بہر حال تہذیب جدید کا نمایاں وصف آزاد خیالی ہے۔

۲) اس تہذیب کا دوسرا وصف ہے سیکولرزم۔ اس کا معنی ہے کہ انسان اپنی انفرادی زندگی میں آزاد ہے۔ وہ ایک خدا کو مانے یا زیادہ خداؤں کو' اس خدا کو راضی کرنے کے لئے مسجد میں جائے یا گرجا اور مندر میں جائے' اس کی خوشنودی کے لئے نماز پڑھے یا پرنام کرے' اسی طرح بچے کی پیدائش کے موقع پر جس طرح چاہے خوشی منائے' اپنے مُردے کو دفن کرے یا جلا دے۔ گویا کہ ہر انسان سیکولرزم کی رو سے عقیدہ' عبادات اور رسومات میں آزاد ہے۔ لیکن اجتماعی زندگی میں لوگوں کی اکثریت سے فیصلے طے پائیں گے۔ اس میں اس عقیدے والے خدا کا کوئی عمل دخل نہیں ہوگا۔ معاشرتی نظام میں پردہ ہوگا یا بے پردگی؟ مخلوط معاشرہ ہو

گا یا عورتوں کے لئے الگ اور مَردوں کے لئے الگ ادارے ہوں گے؟ اس میں اس مسجد والے خدا کو کوئی اختیار نہیں ہوگا' بلکہ عوام کی اکثریت اس کو طے کرے گی۔ اسی طرح سیاسی نظام میں خدا دخیل نہیں ہوگا' عوام صدارتی نظام وضع کریں یا پارلیمانی' وحدانی نظام حکومت کو رواج دیں یا مارشل لائی' معاشی نظام سود پر مبنی ہو یا لاٹری اور بانڈز پر' خدا سے کوئی پوچھ گچھ نہیں ہوگی' بلکہ عوام کی اکثریت اس کا تعین کرے گی۔ خدا کو تو آپ عقیدہ تک محدود رکھیں۔ مسجد میں جا کر اس کو سجدے کریں' غمی اور شادی کے موقع پر جس طرح چاہیں تقریبات منعقد کریں' لیکن جو انسانی زندگی کے اجتماعی معاملات ہیں یعنی پارلیمنٹ' منڈی' مارکیٹ' نظام تعلیم' اس میں خدا کا کوئی سروکار نہیں ہوگا۔ گویا کہ سیکولرزم کا سیاسی نظام ہے جمہوریت' یعنی اللہ کی حاکمیت کی بجائے انسانی حاکمیت کا تصور۔ اور معاشی میدان میں سیکولرزم کا فلسفہ ہے سود پر مبنی نظامِ معیشت اور معاشرتی نظام میں مکمل بے پردگی اور اباحیت پسندی۔

۳) دنیا کے بارے میں اس جدید تہذیب کا تصور یہ ہے کہ دنیا بس یہی دنیا ہے' آگے کوئی اور عالم نہیں۔ لہٰذا یہاں خوب عیش و عشرت کی زندگی بسر کرو۔

۴) تہذیب جدید کے اس تصور نے consumerism کے فلسفہ کو جنم دیا۔ یعنی جب اس دنیا کے بارے میں تصور یہی ہے تو پھر تو زیادہ سے زیادہ سہولتیں اور زیادہ سے زیادہ سامانِ تعیش حاصل کرنے پر خرچ کیا جائے۔ consumerism تہذیب جدید کا ایک نمایاں ستون ہے۔

۵) consumerism کے اس جذبے نے permissive hedonism یا اباحیت کی لعنت کو فروغ دیا۔ یعنی ہر قسم کی لذات کے حصول پر کوئی قدغن نہ ہو۔ آخر جنسی جذبہ ہے' انسان اس جذبہ کی جس طرح چاہے تسکین کرے۔ دو مَرد اگر ایک دوسرے کے ذریعے اس تسکین کو حاصل کریں تو اس پر کوئی قدغن نہ ہو۔ دو عورتیں مل کر اگر تسکین حاصل کر سکتی ہوں تو کریں۔ ہم جنسوں کی شادی پر کوئی پابندی نہ ہو۔ ایک مَرد کو بیوی کا درجہ دیا جائے اور دوسرے کو شوہر کا۔ تہذیب جدید کے نزدیک جنسی خواہش کا جذبہ ایسا ہی ہے جیسا کہ پیاس۔ کسی کو اگر پیاس

لگی ہے تو پیاس بجھانے کے لئے خواہ وہ گلاس استعمال کرے' خواہ کٹورا' اور اگر برتن نہ ملے تو اوک لگا کر پانی پی لے' اصل مقصد تو پیاس کی تسکین ہے۔ اسی طرح جنسی جذبہ خواہ مَرد سے پورا ہو خواہ عورت سے' اس میں آزادی ہو' اس پر کوئی پابندی نہ ہو۔

اس تہذیب کو عالمی سطح پر غالب کرنے اور اس کو بین الاقوامی قوانین کی طرح لاگو کرنے کے لئے اب تک تین International Conferences ہو چکی ہیں: قاہرہ کانفرنس' بیجنگ کانفرنس اور بیجنگ پلس فائیو کانفرنس۔ آخری کانفرنس امریکہ ہی کے شہر نیویارک میں منعقد ہوئی جس کا ایجنڈا تھا "Women 2000" یعنی 2000ء کی عورت۔ اس کانفرنس میں اس تہذیب کے ضمن میں عورت کا جو کردار ہونا چاہئے اس پر غور و خوض ہوا۔ آخر میں اس تہذیب کو بین الاقوامی طور پر مسلط کرنے سے متعلق یہ نکتہ بھی متفقہ طور پر منظور کیا گیا کہ ''جو ملک بھی اس تہذیب کے علاوہ اور کسی تہذیب کو رواج دے گا اس کے خلاف NATO کے ذریعے کارروائی کی جائے گی''۔

اب یہ بات واضح ہو گئی ہو گی کہ امریکہ نے افغانستان کے خلاف اس قدر بھرپور فوجی کارروائی کیوں کی؟ اس لئے کہ امارت اسلامیہ افغانستان میں ایک طرف حکمران یعنی طالبان اسلامی تہذیب پر از خود سختی سے کاربند تھے اور دوسری طرف حتی الامکان اپنے ملک کی رعایا سے بھی اسی تہذیب کے مطابق عمل کروا رہے تھے' بلکہ اس پر مستزاد پوری دنیا کی اُس تہذیب جدید کے مقابلے میں ڈٹے ہوئے تھے جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ اور یہ حرکت اس جدید تہذیب کے منہ پر طمانچہ ہے۔

گویا اب میدان میں ایک طرف وہ تہذیب ہے جو عریاں کلچر اور اباحیت پسند تمدن پر مبنی ہے اور جس کے اصل الاصول جمہوریت یعنی حاکمیت عوام اور سودی نظامِ معیشت ہیں' جبکہ دوسری طرف اسلامی اقدار پر مبنی اللہ کا دیا ہوا وہ نظامِ زندگی ہے جو کہ عفت و عصمت کا داعی' نظامِ عدل و قسط کا علمبردار اور انسانیت کی فلاح و بہبود کا بغیر کسی لالچ اور غرض کے ضامن ہے۔ اور ایک بہترین تہذیب کے یہ وہ زریں اصول ہیں جس پر نہ صرف مسلم سکالرز کو ناز ہے بلکہ ان اصولوں پر مبنی اس اسلامی تہذیب کی

غیر مسلم علماء بھی قدر کرتے ہیں۔

لیکن تہذیب جدید کے پرچارک امریکہ کو اپنی اس تہذیب پر جو ناز ہے وہ صدر امریکہ کی اس تقریر سے واضح طور پر عیاں ہے جو اس نے ورلڈ ٹریڈ سنٹر اور پینٹا گون پر حملہ کے دس روز بعد امریکی کانگریس کے مشترکہ اجلاس سے کی۔ اس تقریر کا مرکزی مضمون اسی تہذیب کے بچاؤ' اس کے جماؤ اور اس کے پھیلاؤ کے عزائم پر مبنی تھا۔ صدر بش نے ان حملوں کو تہذیب پر حملہ قرار دیا اور اس تہذیب کے بچاؤ کے لئے جس جنگ کے آغاز کا عندیہ دیا اس کے لئے Crusade کا لفظ استعمال کیا' یعنی صلیبی جنگ' جو کہ مذہب کے دفاع کے لئے لڑی جانے والی جنگ ہو۔ جیسے کہ اسلام میں جہاد کا تصور ہے۔ گویا کہ تہذیب جدید صدر بش اور ان کے اتحادیوں کے نزدیک مذہب کا درجہ رکھتی ہے جس کے لئے جنگ لڑنا ان پر لازم بلکہ فرض ہے۔ اگرچہ بعد میں وائٹ ہاؤس کے ترجمان نے اسے صدر بش کی سبقت لسانی قرار دیا' مگر یہ سبقت لسانی نہیں' بلکہ وہ جذبہ ہے جو صدر بش باوجود چھپانے کے چھپا نہ سکے۔ اس لئے کہ بقول فرائڈ: ''اس طرح کی غلطیاں بلاوجہ نہیں ہوتیں' بلکہ ان کے نفسیاتی اسباب ہوتے ہیں''۔ یہی وجہ ہے کہ اس تقریر کے دو روز بعد اٹلی کے وزیراعظم کا یہ بیان آیا کہ مغربی تہذیب اسلامی تہذیب سے برتر ہے اور مغربی تہذیب بالآخر اسلامی تہذیب پر ایسا غلبہ پائے گی جیسے کہ اس نے کمیونزم پر غلبہ پایا تھا۔

مغرب جس کی سربراہی کا شرف امریکہ کو حاصل ہے' اپنی تہذیب کے غلبے کے لئے ایک اور صلیبی جنگ لڑنے کے لئے زمین ہموار کر رہا ہے۔ روس کے خاتمہ کے بعد ان پر یہ بات واضح ہے کہ اب ہماری راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ اسلام ہے۔ اسلام کو اپنی راہ سے ہٹانے کے لئے انہوں نے کافی طریقے اپنائے۔ ان طریقوں پر مغربی مفکرین نے بڑی بڑی کتابیں لکھیں۔ یہاں میں ایک کتاب کا حوالہ دوں گا۔ ڈاکٹر برزنسکی جو کہ امریکہ کے ڈیفنس سیکریٹری تھے' انہوں نے روس کی شکست کے بعد امریکی پالیسی ساز اداروں کے لئے ایک کتاب "In Quest of National Security" لکھی۔ اس میں برزنسکی نے پالیسی میکروں کو مشورہ دیا ہے کہ امریکہ اپنی خارجہ پالیسی کا

مقصد اسلام کی بیخ کنی کے سوا کچھ اور نہ رکھے۔ برزنسکی کے مطابق مغربی اقدار تیزی سے روبہ زوال ہیں' جبکہ افغانستان کی جدوجہد سے متاثر ہو کر مسلمانوں میں ایک طرف احیائی تحاریک روبہ ترقی ہیں اور دوسری طرف دنیا کے اندر اسلامی اقدار نہایت سرعت سے پروان چڑھ رہی ہیں۔

یہ جو نعرہ ہے کہ ہماری تہذیب اور ہمارا کلچر ساری تہذیبوں سے افضل اور اعلیٰ ہے' امریکہ میں خاص اس مقصد کے لئے ایک انسٹی ٹیوٹ کام کر رہا ہے جس کا نام ہے: ''نیو امریکن ملینیئم'' اس انسٹی ٹیوٹ کے اہداف و مقاصد ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

۱) امریکہ کو دنیا کی طاقتور ترین اور اہم ترین ریاست تسلیم کروانا۔

۲) امریکہ کے دفاع اور اساس کو مضبوط بنانا۔

۳) دنیا کی قیادت سنبھالنا اور اس کے ممکنہ امکانات کا جائزہ لینا۔

۴) کسی بھی امریکہ مخالف قوت کو وقوع پذیر ہونے سے روکنا۔

۵) امریکہ کو تمام دنیا کی قوت کا مرکز بنانا۔

ان مقاصد کے حصول کے لئے امریکہ ہر وہ حربہ استعمال کرتا ہے جو اس کے ہاتھ لگے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ کے پالیسی میکرز کا یہ خیال ہے کہ امریکہ کی کوئی دائمی پالیسی اور اصول نہیں ہونے چاہئیں' بلکہ اس کی پالیسی اور اصول اس کے مفادات کے گرد گھومیں۔ یعنی جہاں کہیں امریکی مفادات ہوں اسی کے مطابق پالیسی اور اصول وضع کئے جائیں' وہ معاملہ خواہ کسی دوست سے ہو یا کسی دشمن سے۔ اس پالیسی پر کاربند رہنے کے لئے انہوں نے کئی بار اپنے قریبی دوستوں کو ٹھکرایا اور دشمنوں کے ساتھ دوستیاں قائم کیں۔ یہ بات انہوں نے خفیہ بھی نہیں رکھی ہے' بلکہ جب بھی انہیں ایسا موقع ملا ہے تو ڈنکے کی چوٹ ان کے عہدیداروں نے اس اصول کو بیان بھی کیا ہے۔ جنگِ خلیج کے بعد جب امریکی ایئر فورس کا چیف یہاں پاکستان آیا تھا تو اس نے پاکستانی ایئر فورس کے اعلیٰ عہدیداروں سے خطاب کرتے ہوئے یہ بات زور دے کر کہی تھی کہ امریکہ اُس مست ہاتھی کی طرح ہے کہ جو بھی اس کے سامنے آئے گا کچلا جائے گا۔ سوال و جواب کی نشست میں جب اس سے پوچھا گیا کہ اگر مشرقی تیمور میں

ریفرنڈم ہوسکتا ہے تو کیا کشمیر میں ریفرنڈم نہیں ہوسکتا؟ تو اس نے یہ کورا جواب دیا تھا کہ ہمیں اخلاقیات کا درس نہ دیا جائے۔ ہمارا معیار ہمارے مفادات ہیں اور ہمارا مفاد ہی ہماری پالیسی کا تعین کرتا ہے۔

آج بھی امریکہ اسی مفاد پرستانہ پالیسی پر عمل پیرا ہے۔ کل امریکہ نے افغانستان میں جاری جنگ کو جہاد کا نام دے کر اس کی بھرپور مدد کی۔ اور اس کے لئے امریکی اسلحہ اور ڈالرز آئے۔ لیکن جونہی امریکہ کا مفاد پورا ہوا اُس نے آنکھیں پھیر لیں اور اسی ملک پر جو کل تک اس کا دوست تھا' دہشت گردی کا لیبل لگا دیا۔ کل تک اُسامہ بن لادن ایک مجاہد تھا۔ اسے سوڈان سے لا کر افغان جہاد میں لوگوں کو تربیت دینے پر مامور کیا گیا' مگر جونہی امریکہ اپنے مطلوبہ مقاصد حاصل کرنے میں کامیاب ہوا تو شور مچایا کہ اسامہ بن لادن عظیم دہشت گرد ہے۔ حالانکہ دنیا میں جس دہشت گردی کو مختلف مراحل میں امریکہ نے رواج دیا ہے اس کے باقیات السیئات آج بھی موجود ہیں اور نظر آ رہے ہیں۔ گویا جہاں جہاں دہشت گردی کی جو بھی شکل نظر آتی ہے اس کی تحقیق اگر کی جائے تو اس میں امریکہ بہادر ہی کا ہاتھ ہوگا۔ جہاں ضرورت محسوس کی بین الاقوامی قوانین کی دھجیاں بکھیرتے ہوئے نام نہاد نیٹو کے ذریعے آزاد ممالک میں حکومتوں کا تختہ الٹنے کے لئے باقاعدہ فوج کشی کی۔ جہاں ضرورت محسوس کی تو اپنی مرضی کے حکمران مسلط کر کے وہاں کے عوام کی آزادی سلب کی۔ اشتراکیت کی یلغار کو روکنے بلکہ سرمایہ دارانہ استحصالی نظام کو تحفظ دینے کے لئے ویت نام جو کہ امن کا خطہ تھا' میدانِ جنگ میں بدل دیا۔ اگرچہ ویت نام میں امریکہ کی زبردست رسوائی ہوئی مگر جنگ کے نتیجہ میں ویت نام دو حصّوں میں بٹ گیا۔ چھ سال کی اس جنگ میں اگرچہ فتح ویت نام کے حصّہ میں آئی مگر مادی نقصانات سے قطع نظر صرف انسانی جانوں کا ضیاع لاکھوں میں ہوا۔

پھر امریکی دہشت گردی کا یہ عمل ایک' دو ممالک تک محدود نہیں' بلکہ دہشت گردی کا یہ گھناؤنا کردار شمال سے جنوب اور مشرق سے مغرب تک پھیلا ہوا ہے۔ چلی' کمبوڈیا' میکسیکو' عراق' صومالیہ' ایران' لبنان' فلسطین' کشمیر' افغانستان' بوسنیا' کوسوو' چیچنیا وغیرہ

میں مختلف طریقوں سے امریکہ دہشت گردی کرتا رہا ہے اور کر رہا ہے۔ بدقسمتی سے اسے کہیں سے بھی کامیابی حاصل نہیں ہوئی' مگر امریکہ کی طبیعت میں دہشت گردی کچھ اس طرح رچی بسی ہوئی ہے کہ وہ اس حرکت سے باز آنے کا نام ہی نہیں لیتا۔ گویا کہ اس کی دہشت گرد طبیعت اسے کوئی نہ کوئی کھیل کھیلنے پر مجبور کرتی ہے۔ اور جیسا کہ تحریر کیا گیا کہ امریکہ کی پالیسی اور اصول اس کے مفادات کے گرد گھومتے ہیں' اس وجہ سے دہشت گردی کے بارے میں بھی اس کے معیارات اور پیمانے الگ الگ ہیں۔ یہی بات صدرِ امریکہ کی اس تقریر سے واضح طور پر سامنے آئی جو اس نے امریکی کانگریس کے مشترکہ اجلاس سے کی تھی۔ صدر امریکہ کا کہنا تھا کہ دہشت گردی صرف وہ ہے جو امریکہ کے خلاف ہو' جو یہود و ہنود کے خلاف ہو' اس کے علاوہ کسی اور قوم یا مذہب کے لوگوں کے ساتھ ہونے والی دہشت گردی کو وہ اس میں شمار نہیں کرتے۔ چنانچہ آج دنیا کے اکثر ممالک میں مستقلاً وہ کچھ ہو رہا ہے جو حال ہی میں امریکہ کے دو شہروں نیویارک اور واشنگٹن میں ہوا۔ لیکن کشمیر ہو یا بوسنیا' کوسوو ہو یا فلسطین' افغانستان ہو یا پاکستان' یہاں ہزاروں لوگ مارے جائیں' آبادیاں مسمار کی جائیں' بچوں کو ذبح کیا جائے' عورتوں کی عزتوں کو لوٹا جائے' لوگ ملک چھوڑنے پر مجبور کئے جائیں' لیکن یہ سب کچھ دہشت گردی کی تعریف میں اس لئے نہیں آتا کہ یہ امریکہ یا امریکی شہریوں کے خلاف نہیں' یہ دہشت گردی یہود و ہنود کے خلاف نہیں۔ امریکہ نے حالیہ واقعات کو دہشت گردی کا نام دے کر اس کا انتقام لینے کے لئے اتنے بڑے پیمانے پر کارروائی کی۔ یہ ایک منظم سازش ہے جو اس حملہ کے پس منظر میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف تیار کی گئی ہے۔ اگرچہ اس کارروائی کے لئے جو ڈھول امریکہ نے گلے میں ڈالا ہے وہ یہ ہے کہ چونکہ ہم دنیا سے دہشت گردی کو ختم کرنا چاہتے ہیں اس لئے دنیا ہمارا ساتھ دے۔ اس پس منظر میں اصل حقائق کیا ہیں' اس کو جاننے کے لئے اس قوم یعنی یہود کا ذہنی' فکری اور تاریخی اعتبار سے جائزہ لینا ضروری ہے۔

(جاری ہے)

مسلمان کا طرزِ حیات (۱۹)

علامہ ابو بکرالجزائری کی شہرۂ آفاق تالیف

"منهاجُ المُسلم" کا اردو ترجمہ

مترجم : مولانا عطاء اللہ ساجد

کتاب الاداب

تیسرا باب

قرآنِ مجید کا ادب

مسلمان کلام اللہ کے تقدس پر ایمان رکھتا ہے' اسے دیگر ہر کلام سے اشرف اور افضل مانتا ہے اور یہ یقین رکھتا ہے کہ قرآنِ مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جس پر باطل کسی طرف سے اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ اس کے مطابق بات کرنے والا بالکل سچا ہے اور اس کے مطابق فیصلہ کرنے والا عادل ہے۔ قرآن کے حاملین ہی اللہ والے ہیں اور اس سے تمسّک کرنے والے نجات اور کامیابی پائیں گے اور اس سے اعراض کرنے والے خسارے اور تباہی کا سامنا کریں گے۔

ایک مسلمان آدمی کتاب اللہ کی عظمت اور اس کے تقدس و شرف پر اس لیے بھی ایمان رکھتا ہے کہ جس عظیم ہستی پر یہ کتاب نازل ہوئی ہے یعنی جناب رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کی عظمت و شرف کو واضح کیا ہے۔ مثلاً ارشادِ نبویؐ ہے :

((اِقْرَءُ وا الْقُرْآنَ فَاِنَّهٗ يَجِيْ ءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَفِيْعًا لِصَاحِبِهٖ)) (۱)

"قرآن پڑھا کرو' وہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والے کے لیے سفارشی بن کر آئے گا"۔

اور فرمایا :

((اَهْلُ الْقُرْآنِ اَهْلُ اللّٰهِ وَخَاصَّتُهٗ)) (۲)

"قرآن والے ہی اللہ والے اور اس کے مقرب ہیں"۔

اور فرمایا:

((خَيْرُكُمْ مَّنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ)) (۳)

"تم میں سے بہتر وہ ہے جس نے قرآن سیکھا اور سکھایا"۔

نیز فرمایا:

((اِنَّ الْقُلُوْبَ تَصْدَأُ كَمَا يَصْدَأُ الْحَدِيْدُ)) فَقِيْلَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا جِلَاءُ هَا؟ فَقَالَ: ((تِلَاوَةُ الْقُرْآنِ وَذِكْرُ الْمَوْتِ)) (۴)

"جس طرح لوہے کو زنگ لگتا ہے اس طرح دل بھی زنگ آلود ہو جاتے ہیں"۔

عرض کیا گیا: یا رسول اللہ ﷺ اس زنگ کو کون سی چیز دور کر سکتی ہے؟ ارشاد ہوا: "قرآن کی تلاوت اور موت کی یاد"۔

ایک بار جناب رسول اللہ ﷺ کا ایک انتہائی سخت دشمن آکر حضور ﷺ سے کہنے لگا: یا محمد! مجھے قرآن سنایئے۔ آنحضرت ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآيِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ ﴾

(النّحل: ۹۰)

"یقیناً اللہ تعالیٰ انصاف و احسان کا اور اقارب کو دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی، برے کاموں اور زیادتی سے منع کرتا ہے۔ وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔"

ابھی رسول اللہ ﷺ نے تلاوت ختم نہیں کی تھی کہ اس شدید دشمن نے خود یہ درخواست کی کہ حضور! دوبارہ ان آیات کی تلاوت فرمائیں۔ اور اس کی کیفیت یہ تھی کہ وہ قرآنِ مجید کے الفاظ کے جلال اور معانی کے تقدس کو دیکھ کر ششدر رہ گیا تھا، قرآن کے اندازِ بیان نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا تھا اور اس کی قوتِ تاثیر اسے اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔ فوراً ہی اس نے بلند آواز سے کلام اللہ کے تقدس اور عظمت کی گواہی دے دی۔ وہ ان الفاظ میں اس کا اعتراف کر رہا تھا: "اللہ کی قسم! اس میں حلاوت ہے، یہ تر و تازہ ہے، اس کا نچلا حصہ پتوں والا اور اوپر کا حصہ پھلوں والا ہے (یہ ایک گھنی چھاؤں والے پھل دار درخت کی طرح راحت بخش اور نفع بخش ہے)، کوئی

انسان اپنی طرف سے ایسا کلام نہیں کہہ سکتا"۔ (۵)

یہی وجہ ہے کہ مسلمان جس طرح اس کے حلال و حرام کے احکام کو تسلیم کر کے ان پر عمل کرتا ہے' اس کے آداب و اخلاق پر عمل پیرا ہوتا ہے' اسی طرح وہ اس کی تلاوت کے بعد مندرجہ ذیل آداب کو ملحوظ خاطر رکھتا ہے:

① تلاوتِ قرآنِ مجید کے وقت اسے بہترین حالت میں ہونا چاہیئے۔ یعنی بدن اور لباس وغیرہ پاک ہو' قبلہ کی طرف منہ کرے' ادب اور وقار سے بیٹھ کر تلاوت کرے۔

② اسے ترتیل سے پڑھے' تلاوت میں تیزی نہ ہو' تین دن سے کم مدت میں پورا قرآن نہ پڑھے' کیونکہ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

((لَمْ يَفْقَهْ مَنْ قَرَءَ الْقُرْآنَ فِيْ اَقَلِّ مِنْ ثَلَاثٍ)) (۶)

"جس نے تین رات سے کم مدت میں قرآن پڑھا' اس نے اسے سمجھا ہی نہیں"۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کو جنابِ رسول اکرم ﷺ نے حکم دیا تھا کہ سات راتوں میں قرآن پاک ختم کیا کریں"۔ (۷) اسی طرح جناب عبد اللہ بن مسعود' جناب عثمان بن عفان اور جناب زید بن ثابت رضی اللہ عنہم ہفتے میں ایک بار قرآن پاک ختم کیا کرتے تھے۔

③ تلاوت کرتے ہوئے عاجزی اور خشوع اختیار کرے' پڑھتے ہوئے غم کی کیفیت ظاہر ہو اور روئے۔ اگر رونا نہ آئے تو رونے کی سی شکل بنائے' کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((اُتْلُوا الْقُرْآنَ وَ ابْكُوْا' فَاِنْ لَمْ تَبْكُوْا فَتَبَاكَوْا)) (۸)

"قرآن پڑھو اور رویا کرو۔ اگر رونا نہ آئے تو رونے کا اظہار کرو"۔

④ تلاوت خوب صورت آواز سے کرے۔ کیونکہ فرمانِ نبوی ﷺ ہے:

((زَيِّنُوا الْقُرْآنَ بِاَصْوَاتِكُمْ)) (۹)

"قرآن کو اپنی آوازوں سے مزین کرو"۔

نیز فرمایا:

((مَا اَذِنَ اللّٰهُ لِشَيْءٍ مَا اَذِنَ لِنَبِيٍّ يَتَغَنّٰى بِالْقُرْآنِ)) (۱۰)

"اللہ تعالیٰ کسی چیز کی طرف اس طرح کان نہیں لگاتا جس طرح خوش الحانی سے تلاوت کرتے ہوئے نبی (کی تلاوت) کی طرف کان لگاتا ہے"۔

نیز فرمایا:

((لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ یَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ))(۱۱)

"جو خوش آوازی سے قرآن نہیں پڑھتا وہ ہم میں سے نہیں ہے"۔

⑤ اگر بلند آواز سے تلاوت کرنے سے ریاء کاری میں مبتلا ہونے کا خدشہ ہو' یا کسی نمازی کو پریشانی ہوتی ہو تو آہستہ تلاوت کرے' کیونکہ آنحضرت ﷺ سے مروی ہے:

((اَلْجَاهِرُ بِالْقُرْآنِ كَالْجَاهِرِ بِالصَّدَقَةِ))(۱۲)

"جہر سے تلاوت کرنے والا صدقہ ظاہر کرنے والے کی طرح ہے"۔

اور یہ بات واضح ہے کہ صدقہ پوشیدہ طور پر دینا مستحب ہے' اِلّا یہ کہ ظاہراً صدقہ کرنے میں کوئی دوسرا فائدہ مقصود ہو' مثلاً دوسرے لوگوں کو صدقہ پر آمادہ کرنا۔ تلاوتِ قرآن کا بھی یہی حکم ہے۔

⑥ تلاوت کرتے ہوئے غور و فکر کرے' اس کی عظمت کا احساس کرے' حضورِ قلب سے تلاوت کرے' اس کے معنی و مفہوم اور اسرار و رموز کو سمجھنے کی کوشش کرے۔

⑦ تلاوت کرتے ہوئے وہ غفلت کا شکار نہ ہو اور اس کے احکام کی مخالفت کا مرتکب نہ ہو رہا ہو' کیونکہ اس طرح وہ خود اپنے آپ پر لعنت کرنے کا باعث بن سکتا ہے۔ مثلاً جب وہ پڑھتا ہے ﴿ لَعْنَةَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۝ ﴾(۱۳) "جھوٹوں پر اللہ کی لعنت"۔ یا وہ پڑھتا ہے: ﴿ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴾(ھود: ۱۸) "خبردار! ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے"۔ اور اگر وہ خود جھوٹ بولتا اور ظلم کرتا ہے تو ان آیات کی تلاوت کے ذریعہ وہ خود اپنے آپ کو لعنت کر رہا ہے۔ مندرجہ ذیل روایت سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہو جائے گی جو اللہ کی کتاب کی طرف توجہ نہیں کرتے اور دوسری چیزوں میں مشغول رہتے ہیں۔ روایت ہے کہ تورات میں لکھا ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"کیا تجھے مجھ سے شرم نہیں آتی؟ تجھے تیرے کسی بھائی کا خط ملتا ہے اور تو راستہ میں چلا جا رہا ہوتا ہے تو تو راستہ سے ہٹ کر ایک طرف اسے پڑھنے کے لیے بیٹھ جاتا ہے۔ تو اس کا ایک ایک حرف پڑھتا ہے اور اس پر غور کرتا ہے تاکہ خط کی

کوئی چیز سمجھ میں آئے بغیر نہ رہ جائے۔ اور یہ میری کتاب میں نے تیری طرف نازل کی ہے' دیکھ میں نے کس طرح تفصیل سے اس میں سب باتیں بیان کی ہیں اور کس طرح بار بار دہرائی ہیں تاکہ تو اس کے طول و عرض میں غور کرے' لیکن اس سے تو بے توجہی کرتا ہے۔ گویا میں تیرے نزدیک تیرے بھائی سے بھی کم اہم ہوں۔ اے میرے بندے! تیرے پاس تیرا کوئی بھائی آ بیٹھتا ہے تو تُو پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور پورے دل کے ساتھ اس کی بات غور سے سنتا ہے۔ اگر کوئی اور شخص بات کرنے لگے یا تجھے اس کی بات سے ہٹا کر کسی اور کام میں مشغول کرنا چاہے تو تُو اسے اشارہ کرتا ہے کہ رک جا۔ اور دیکھ! میں تیری طرف متوجہ ہوں' تجھ سے باتیں کر رہا ہوں اور تو اپنے دل کے ساتھ مجھ سے اعراض کر رہا ہے۔ کیا تو نے مجھے اپنے بھائی سے کم قدر والا سمجھ لیا ہے؟"

⑧ پوری کوشش کرے کہ اہل اللہ کی صفات اختیار کرے اور ان کا سا طور طریقہ اپنائے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "قرآن پڑھنے والے کو چاہیے کہ جب رات کو لوگ سو رہے ہوں تو وہ اپنی رات (کی مشغولیت) کی وجہ سے پہچانا جائے' جب لوگ بے روزہ ہوں تو اس کا دن دوسروں سے ممتاز ہو' جب لوگ ہنس رہے ہوں تو وہ رونے کی وجہ سے ممتاز ہو' جب لوگ بے احتیاطی کر رہے ہوں تو اس کا تقویٰ اسے ممتاز کرے' جب لوگ بے فائدہ بحث و تمحیص میں مشغول ہوں تو وہ اپنی خاموشی کی وجہ سے الگ نظر آ رہا ہو' جب لوگ تکبر اور فخر میں مبتلا ہوں وہ عجز و نیاز کا پیکر بنا ہوا ہو' جب لوگ خوشیاں منا رہے ہوں وہ غم کی وجہ سے معروف ہو"۔

محمد بن کعب رحمہ اللہ کہتے ہیں: "ہم قرآن کے قاری (عالم) کو اس کے رنگ کی زردی کی وجہ سے پہچان لیتے تھے"۔ یعنی وہ تہجد زیادہ پڑھتا ہے اور سوتا کم ہے۔

وہیب بن ورد رحمہ اللہ کہتے ہیں: ایک آدمی سے پوچھا گیا: آپ سوتے کیوں نہیں؟ اس نے کہا: "قرآن کے عجائبات نے میری نیند اڑا دی ہے"۔

ذوالنون رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مَنَعَ الْقُرْآنُ بِوَعْدِهٖ وَوَعِيْدِهٖ
مُقْلَ الْعُيُوْنِ بِلَيْلِهَا لَا تَهْجَعُ

فَهِمُوْا عَنِ الْمَلِكِ الْعَظِيْمِ كَلَامَهُ
فَهُمَا تَذِلُّ لَهُ الرِّقَابُ وَتَخْضَعُ

"قرآن نے اپنے وعدہ اور وعید سے آنکھوں کو روک دیا ہے تو وہ رات کو سوتی نہیں۔ ان لوگوں نے عظیم بادشاہ کا کلام اس انداز سے سمجھا ہے کہ گردنیں اس کے سامنے عاجزی سے جھک گئی ہیں۔"

حواشی

(۱) صحیح مسلم' کتاب صلاۃ المسافرین' باب فضل قراءۃ القرآن وسورۃ البقرۃ۔

(۲) سنن ابن ماجہ' مقدمہ' باب فی فضل من تعلم القرآن وعلمہ

(۳) صحیح البخاری' کتاب فضائل القرآن' باب خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ

(۴) شعب الایمان للبیہقی' باب تعظیم القرآن' فصل فی ادمان تلاوتہ۔ اس کی سند ضعیف ہے۔

(۵) اسے ابن جریر طبری نے روایت کیا ہے۔ اور قرآن کی عظمت کی گواہی دینے والا یہ دشمن ولید بن مغیرہ تھا' جیسا کہ امام بیہقی نے جید سند سے روایت کیا ہے۔

(۶) اسے ترمذی' ابوداؤد' نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔

(۷) صحیح البخاری' کتاب فضائل القرآن' باب فی کم یقرء القرآن - و صحیح مسلم' کتاب الصیام' باب النھی عن صوم الدھر

(۸) سنن ابن ماجہ' ابواب الزھد' باب الحزن والبکاء اس کی سند حسن ہے۔

(۹) صحیح البخاری' کتاب التوحید' باب قول النبی ﷺ الماھر بالقرآن مع السفرۃ الکرام البررۃ۔ وسنن ابن ماجہ' کتاب اقامۃ الصلاۃ' باب فی حسن الصوت بالقرآن

(۱۰) صحیح البخاری' کتاب فضائل القرآن' باب من لم یتغن بالقرآن۔ و صحیح مسلم' کتاب فضائل القرآن' باب استحباب تحسین الصوت بالقرآن۔

(۱۱) صحیح البخاری' کتاب التوحید' باب قول اللہ تعالٰی وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِاجْهَرُوْا بِهٖ

(۱۲) سنن الترمذی' کتاب فضائل القرآن' باب ۲۰

(۱۳) مؤلف نے غلطی سے "اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ" کے الفاظ درج کیے ہیں جو قرآن حکیم کی کسی آیت میں نہیں آئے۔ البتہ سورۂ آل عمران آیت ۶۱ میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں: فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ "پس ہم جھوٹوں پر اللہ کی لعنت کریں"۔

آزادیٔ نسواں یا فحاشی کا فروغ؟

محمد آصف احسان عبدالباقی

اسلام کے واضح اور پاکیزہ احکام مصائب و آلام سے دوچار انسانیت کے لئے راحت وسکون اور فرحت وانبساط کا باعث ہیں۔ دنیا اور آخرت کی تمام بھلائیاں اور کامیابیاں ان میں پوشیدہ ہیں۔ اسلام کی یہ عظمت و رفعت ابلیس اور اس کے پیروکاروں کے دل و دماغ میں نوکدار کانٹوں کی مانند چبھن پیدا کرتی ہے۔ چنانچہ اس اذیت سے نجات حاصل کرنے اور اپنے اصل فریضے کی بجا آوری کے لئے شیطان کا گروہ ہر وقت اس جدوجہد میں مگن ہے کہ جیسے بھی ممکن ہو' ابن آدم کو راہ راست سے منحرف کر کے اسلام سے بیزار کر دیا جائے اور انہیں لذت کے سرور میں مبتلا کر کے اسلام کی تعلیمات اور حق وصداقت کی پہچان سے اس قدر دور کر دیا جائے کہ مخلوق اپنے پیدا کرنے والے کو بھول کر اس کی یاد سے غافل ہو جائے۔

پس نیکی اور بدی کے مابین یہ جنگ اس روز ہی سے جاری ہے جس دن ابلیس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے باوجود حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس عدم اطاعت پر خالق کائنات نے شیطان کے مہلت طلب کرنے پر اسے یوم آخرت تک مہلت عطا فرمائی تا کہ وہ انسان کو اپنی خوش نما اور دل فریب چالوں کے پھندے میں پھنسا کر سیدھے راستے سے بھٹکا سکے۔ چنانچہ سب سے پہلا اور مہلک ترین داؤ جو شیطان نے کھیلا' یہ تھا کہ اس نے دھوکا دہی اور کذب بیانی کے ساتھ آدم و حوا علیہما السلام کو اس درخت کے چکھنے پر مجبور کر دیا جس کے پاس جانے سے بھی اللہ نے منع فرمایا تھا۔ اس نافرمانی اور معصیت کے نتیجے میں آدم وحوا علیہما السلام کے ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے اور وہ فطری شرم وحیا کی بنا پر اپنے برہنہ جسموں کو پتوں سے چھپانے لگے۔ اس واقعے کا قرآن حکیم میں یوں تذکرہ کیا گیا:

''اور (ہم نے) آدم (سے کہا کہ) تم اور تمہاری بیوی بہشت میں رہو سہو اور جہاں سے چاہو (اور جو چاہو) نوش جان کرو مگر اس درخت کے پاس نہ جانا ورنہ گناہ گار ہو جاؤ گے۔ تو شیطان دونوں کو بہکانے لگا تا کہ ان کے ستر کی چیزیں جو ان سے پوشیدہ تھیں' کھول دے اور کہنے لگا کہ تمہیں تمہارے پروردگار نے اس درخت سے صرف اس لئے منع کیا ہے کہ کہیں تم فرشتے نہ بن جاؤ یا ہمیشہ جیتے نہ رہو اور ان سے قسم کھا کر کہنے لگا کہ میں تو تمہارا خیر خواہ ہوں۔ غرض (مردود نے) دھوکا دے کر ان کو (گناہ کی طرف) کھینچ ہی لیا۔ جب انہوں نے اس درخت (کے پھل) کو کھا لیا تو ان کے ستر کی چیزیں کھل گئیں اور وہ جنت کے (درختوں کے) پتے اپنے اوپر چپکانے (اور ستر چھپانے) لگے تب ان کے رب نے ان کو پکارا کہ کیا میں نے تمہیں اس درخت (کے پاس جانے) سے منع نہیں کیا تھا اور بتا نہیں دیا تھا کہ شیطان تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے۔'' (الاعراف:۱۹تا۲۲)

انسان پر اللہ کے انعامات

حضرت آدم علیہ السلام کے بارگاہ ایزدی میں توبہ کرنے کے بعد انہیں جنت سے نکال کر زمین میں بسا دیا گیا۔ خلیفہ کی حیثیت سے انسان کو اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات ہونے کا اعزاز بخشا اور اسے اپنی دیگر مخلوق پر کئی اعتبار سے فضیلت و بزرگی عطا فرمائی' اسے رہنے سہنے کے ڈھنگ سکھائے اور کھانے پینے کے آداب سے آگاہ کیا لیکن ان سب کے علاوہ ایک نعمت ایسی عطا فرمائی جس نے بنی آدم کی عظمت کو حد کمال تک پہنچا دیا اور وہ انسان کا اپنے بدن کو اچھے انداز سے ڈھانپنا اور اس کی جبلت میں شرم وحیا کا موجود ہونا ہے۔ یہ ایسی عظیم اور لازوال نعمت ہے جو قدرت کی جانب سے صرف اور صرف حیوان ناطق یعنی انسان ہی کو ودیعت کی گئی اور دیگر مخلوق کو اس سے محروم رکھا گیا۔ چنانچہ لباس کی نعمت کا اللہ پاک نے بطور خاص یوں ذکر فرمایا:

''اے بنی آدم! ہم نے تم پر لباس کی نعمت اتاری تا کہ تمہارا ستر ڈھانکے اور (تمہارے بدن کو) زینت (دے) اور (جو) پرہیزگاری کا لباس (ہے) وہ سب سے اچھا ہے۔ یہ خدا کی نشانیاں ہیں تا کہ لوگ نصیحت پکڑیں۔'' (الاعراف:۲۶)

انسانی فطرت میں شرم وحیا کے عناصر کے باوجود اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کے مابین ایک دوسرے کے لئے کشش پیدا فرما دی اور اسے اتنی قوت عطا کر دی کہ جنس مخالف کی چاہت انسان کے دل و دماغ پر حاوی ہوگئی۔ مرد نے عورت کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو کر زمین میں فساد برپا کیا اور خون بہایا تو عورت کے اندازِ دلربائی اور اسلوبِ عشوہ طرازی نے اسے خراجِ تحسین بخشا۔ مرد نے عورت کے حصول کے لئے راہ ہدایت کو ترک کیا اور اپنے کنبے قبیلے سے ناتا توڑا تو عورت نے اس کی والہانہ انداز میں پذیرائی کی۔ غرضیکہ انسانیت اور اخلاق و کردار کی تباہی و بربادی میں ایک سیر اور دوسرا سوا سیر نکلا۔ ابلیس مردود نے عشق و محبت کے اس کھیل کی ہلاکت خیزی کا مشاہدہ کیا تو اس نے اسے برہنگی (Nudity) کی سلگتی ہوئی چنگاری دکھا کر مرد و زن کی اکثریت کو لباس سے بے نیاز کرنے کی سازش کی تاکہ انہیں اسی شرمناک حالت میں مبتلا کر دیا جائے جو اُن کے جدامجد حضرت آدم علیہ السلام کے لئے ندامت کا باعث بنی اور جس کی وجہ سے انہیں جنت سے نکلنا پڑا۔ یہی وجہ ہے کہ جب اللہ نے بنی آدم کو شیطان کے مکر و فریب سے بچنے کی ہدایت کی تو اس کی اس مذموم سازش کو بطور مثال یوں بیان کیا:

> ''اے بنی آدم! (دیکھنا کہیں) شیطان تمہیں بہکا نہ دے جس طرح تمہارے ماپ باپ کو (بہکا کر) بہشت سے نکلوا دیا اور ان سے ان کے کپڑے اتروا دیئے تاکہ ان کے ستر ان کو کھول کر دکھا دے۔ وہ اور اس کے بھائی تمہیں ایسی جگہ سے دیکھتے رہتے ہیں جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھ سکتے۔ ہم نے شیطانوں کو انہی لوگوں کا رفیق بنایا ہے جو ایمان نہیں رکھتے''۔ (الاعراف: ۲۷)

آزادیٔ نسواں کی صدائے بازگشت

بلاشک وشبہ عورت کو اللہ نے کائنات کے حسن میں سے ایک کثیر حصہ عطا کیا ہے اور ع ''وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ'' کے مصداق عورت کی فطری خوبصورتی، نرمی و نزاکت اور سادگی و بھولپن خالق کائنات کی بے مثال صناعی کا ایک عظیم شاہکار ہے لیکن افسوس، اللہ کی طرف سے عطا کردہ یہ تمام نعمتیں عورت کو راس نہ آ

سکیں' شیطان کا وار کارگر رہا اور معاشرے میں عریانی وفحاشی کے پھیلاؤ میں عورت نے سب سے اہم کردار ادا کیا ہے اور کر رہی ہے۔ پس واضح ہو کہ سوسائٹی میں فحاشی کے فروغ کا ایک اہم ذریعہ ''آزادئ نسواں'' بھی ہے جس کے اہداف ومقاصد میں سے اصل اور بنیادی مقصد معاشرے میں اخلاقی بے راہ روی اور مادر پدر آزادی کو پھیلانا ہے۔ اگرچہ ''آزادئ نسواں'' کے علمبردار عورت کو اس کے جائز حقوق دلوانے ہی کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں لیکن اصل حقیقت کیا ہے' اس سے عوام الناس کی ایک بڑی تعداد ناواقف ہے۔

''عورت کی آزادی'' عہد حاضر ہی کا المیہ نہیں بلکہ اس کی پکار اس وقت سے دنیا کے گوشے گوشے میں گونج رہی ہے جب پتھر کے دور کے انسان پر دنیوی ترقی کے در وا ہوئے اور اس نے مادی ارتقاء کے لئے جدت کا لبادہ اوڑھا' تجارت ومعیشت میں روز افزوں بڑھوتری کے لئے مختلف اقوام نے عورت کو گھر کی محفوظ اور پُرسکون چار دیواری سے باہر نکالا لیکن وقتی کامرانی کے باوجود دائمی ناکامی وتنگ دستی اور ذلت و پریشانی نے ان کے قدم چومے۔ چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ علم وترقی اور تہذیب وتمدن کے گہواروں روم اور یونان نے جب خاتون خانہ کو ''زینت مجلس'' بنا دیا تو کاتب تقدیر نے اس عظیم اخلاقی اور معاشرتی گناہ کی پاداش میں انہیں صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دیا۔ دانش مندی کا تقاضا تو یہ تھا کہ پوری دنیا کے انسان بالعموم اور مسلمان بالخصوص اس سے عبرت پکڑتے لیکن افسوس' یہ بھی لذت نفس کی آرزو میں اسی رو میں بہہ گئے جس کی تندی وتیزی نے ان سے پہلے کی قوموں کو نیست ونابود کر دیا تھا۔ یوں گمراہیوں کی شب تاریک میں جلتے ہوئے واحد چراغ ہدایت نے بھی تہذیب مغرب کی پیروی میں اپنی روشنی گل کر دی اور آج کیفیت یہ ہے کہ تقریباً تمام اسلامی ممالک اس تباہ کن اور ہلاکت خیز فتنے کی زد میں آ کر ''آزادئ نسواں'' کا راگ الاپنے میں مشغول ہو گئے ہیں۔ اسلامی ممالک میں آزادئ نسواں کی صدائے بازگشت سب سے پہلے مصر میں' پھر ترکی' ایران اور افغانستان میں شروع ہوئی۔ مصر میں خصوصی طور پر

تحریک آزادیٔ نسواں نے خدیو اسماعیل پاشا کے عہد حکومت (۱۸۶۳ء تا ۱۹۷۹ء) میں زور پکڑا اور عورتوں کے لئے جدید مغربی طرز کے سکول کھلنے لگے۔ آزادی کی اس تحریک میں جو بعد میں بہت پھیل گئی' مصر کے معروف ادیب اور سماجی مصلح قاسم امین (۱۸۶۳ء تا ۱۹۰۸ء) نے بڑا حصہ لیا۔ قاسم امین نے' جنہیں محرر المرأۃ (عورت کو آزادی دلانے والا) کا خطاب دیا گیا' آزادیٔ نسواں کی تائید وحمایت میں دو کتابیں ''تحریر المرأۃ'' (عورت کی آزادی) اور ''المرأۃ الجدیدۃ'' (جدید عورت) تصنیف کیں۔ تحریک آزادیٔ نسواں کے افکار ونظریات کی توسیع و اشاعت میں ہدیٰ شعراوی (۱۸۷۹ء تا ۱۹۴۹ء) نے بہت اہم کردار ادا کیا۔ یہ بالائی مصر کے ایک علاقے میں پیدا ہوئیں' پورا نام نور الہدیٰ سلطان تھا مگر ہدیٰ شعراوی کے نام سے مشہور ہوئیں۔ ابتدائی تعلیم وتربیت قاہرہ ہی میں حاصل کی' حفظ قرآن کے ساتھ فرانسیسی زبان میں بھی مہارت حاصل کر لی۔ ۱۳ برس کی عمر میں چچازاد بھائی علی شعراوی سے نکاح ہوا اور رخصتی عمل میں آئی لیکن ایک سال بعد ہی سات سال کے لئے شوہر سے علیحدگی ہوگئی۔ اس دوران یہ تحریک آزادیٔ نسواں سے متعارف ہوئیں۔ ۱۹۰۹ء میں قاہرہ یونیورسٹی میں پہلی بار خواتین کے لئے خواتین کے ذریعے لیکچرز کا اہتمام کیا۔ ۱۹۱۴ء میں خواتین کے اندر مغربی انداز زندگی پیدا کرنے کے لئے الاتحاد النسائی التہذیبی کی بنیاد رکھی اور اسی مقصد کے لئے ایک دوسری انجمن کا قیام بھی عمل میں لایا گیا۔ ان تنظیموں کا مقصد ادب وثقافت کے خوشنما نعروں کے پردے میں مصری خواتین کو اسلام کے خلاف بغاوت پر آمادہ کرنا تھا۔ چنانچہ میاں اور بیوی نے مل کر اس فتنے کو خوب ہوا دی۔ ۱۹۱۹ء میں خواتین کی ایک احتجاجی ریلی منظم کرنے کے بعد وفد پارٹی کی خواتین شاخ لجنۃ الوفد المرکزیۃ للسیدات (خواتین کے لئے مرکزی وفد کی کمیٹی) کی مرکزی صدر مقرر کر دی گئیں۔ ۱۹۲۳ء میں آزادی کے حصول کے بعد شعراوی نے الاتحاد النسائی المصری کی تاسیس کی اور اس کی صدر مقرر ہو کر مصر میں پہلی تحریک نسواں کی بھرپور قیادت کی۔ اسی سال روم کی ایک بین الاقوامی خواتین کانفرنس میں شرکت

کے بعد وطن واپس آئیں تو ایک سیاسی مظاہرے میں شرکت کرتے ہوئے پہلی مرتبہ عوام کے سامنے چہرے کا نقاب نوچ کر پھینک دیا۔ اس کے بعد بے حجابی ان کا شعار بن گیا۔ ۱۹۲۴ء میں انہوں نے خواتین کے مفت علاج کے لئے دارالتعاون الاصلاحی (اصلاحی تعاون کا گھر) کا سنگ بنیاد رکھا۔ ۱۹۲۵ء میں فرانسیسی زبان میں ایک ماہنامہ ''Egyptienne'' جاری کیا۔ ۱۹۳۷ء میں عربی زبان میں ماہنامہ ''المصریۃ'' کا بھی آغاز کر دیا گیا۔ ان دونوں رسالوں نے تحریک آزادئ نسواں کے افکار ونظریات کی خوب اشاعت کی اور پردے سے متعلقہ اسلام کے روایتی تصورات پر حملے کئے۔

اسلامی جمہوریہ مصر میں تحریک آزادئ نسواں کی مخالفت بھی بہت ہوئی۔ چنانچہ مصری خواتین کو اسلام کے نظام ستر وحجاب سے آگاہ کرنے اور اجنبی مردوں سے ان کے آزادانہ میل جول کے خلاف الاخوان المسلمون کی خواتین کی شاخ الاخوات المسلمات نے بہت اہم کردار ادا کیا۔ اس کے علاوہ نعمت صلاتی نے ''التبرج'' اور مصر کے نامور محقق اور ماہر انشا پرداز محمد فرید وجدی (۱۸۷۸ء تا ۱۹۵۴ء) نے ''المرأۃ المسلمہ'' (مسلمان عورت) لکھ کر اسلام کے نظام عفت وعصمت کا موثر انداز میں دفاع کیا۔ الاخوان کی ایک اہم ادیبہ اور مصنفہ زینب الغزالی (پیدائش: ۲ جنوری ۱۹۱۷ء) نے بھی تحریک آزادئ نسواں کے سیلاب بلاخیز کے آگے بند باندھنے میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ زینب نے نوجوانی میں ہدیٰ شعراوی کی تحریک نسواں میں شمولیت اختیار کی مگر جلد ہی یہ حقیقت سمجھ میں آ گئی کہ یہ تحریک آزادی اور حقوق کے نام پر خواتین کو گمراہ کر رہی ہے اور یہ کہ اسلام نے خواتین کو ہر قسم کے حقوق فراہم کئے ہیں اس لئے مزید کسی تنظیم یا نظام سے وابستگی فضول ہے۔ ۱۹۳۶ء میں ۱۸ برس کی عمر میں آپ نے جماعۃ السیدات المسلمات کی بنیاد رکھی اور مسلم خواتین وطالبات کو اسلام کے لئے جدوجہد پر ابھارا۔ حکومت نے اس تنظیم کی مقبولیت اور توسیع کے پیش نظر ۱۹۶۴ء میں اس پر پابندی لگا دی۔ اس وقت اس کے ارکان کی تعداد ۳۰ لاکھ کے قریب تھی جو بلاشبہ ایک حیرت انگیز امر ہے۔

''آزادیٔ نسواں'' کے پس پردہ کھیلے جانے والا عریانی و فحاشی کا گھناؤنا کھیل انسانیت کی روحانیت کے لئے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتا ہے' اس کا اندازہ اس حقیقت سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ یورپ و امریکہ روحانی اعتبار سے مکمل طور پر تباہ ہو چکے ہیں۔ ان ممالک کے افراد کی ازدواجی زندگی اطمینان اور سکون سے بالکل خالی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مغربی ممالک میں نکاح کو ایک غیر ضروری چیز تصور کیا جاتا ہے۔ مغربی اقوام مادر پدر آزادی کے زیر سایہ ہمیشہ ایک ہی بدن سے شہوانی تسکین حاصل کرنے کو کوتاہ نظری اور قدامت پسندی کا مظہر سمجھتی ہیں۔ اسی بناء پر مغربی معاشرہ شہوانیت پرستی کے سیلاب میں بہہ کر انسانیت سے اس قدر دور ہو چکا ہے کہ بلاشک و شبہ شرم وحیاء اور عفت و آبرو کے لحاظ سے ان میں اور حیوانات میں کچھ واضح فرق باقی نہیں رہا۔ ان کے اخلاقی اور روحانی زوال کی عکاسی یہ رپورٹ کرتی ہے کہ امریکہ میں ہر چھ منٹ کے بعد عصمت دری کا ایک واقعہ پیش آتا ہے اور یورپ کے مہذب ترین ملک سویڈن میں ستر فی صد لڑکیاں شادی سے قبل حاملہ ہو جاتی ہیں۔ غرضیکہ مغربی ممالک کو بدکاری اور آبرو باختگی کا بھیانک عفریت اس سرعت سے ہڑپ کر رہا ہے کہ ان کا خاندانی نظام تباہی کے دہانے کو چھو رہا ہے' میاں بیوی کے درمیان پیار و محبت کے جذبات مفقود ہیں تو جنم لینے والے بچے ماں کی ممتا سے محروم ہیں۔ لیکن گرل فرینڈ اور بوائے فرینڈ کی تلاش میں سرگرداں مغرب ان مہلک اور جان لیوا امراض کی تشخیص کرنے سے قاصر ہے کیونکہ ''کنویں کے مینڈک'' کی مانند اس کی نگاہ میں زندگی کا مفہوم صرف اور صرف ''عیاشی اور نفس پرستی'' ہی میں پوشیدہ ہے۔ بے شک جنس مخالف کی جانب میلان اور شہوانی جذبات کی تسکین ایک فطری خواہش ہے جس کے جراثیم ہر اچھے اور برے انسان میں پائے جاتے ہیں لیکن اسلام اس کی غیر فطری اور خلاف انسانیت تسکین سے روکتا ہے تاکہ معاشرے میں اعتدال اور توازن برقرار رہے اور ایسا نہ ہو کہ انسان ابلیس کی ہر دعوت گناہ پر لبیک کہتے ہوئے خود اپنے فطری تقاضوں کو پاؤں تلے روند ڈالے۔ چونکہ اسلام دین فطرت ہے اس لئے اس کے تمام

احکام پر عمل پیرا ہونا انسانی طبیعت کا ایک اہم جزو ہے۔ چونکہ شہوانی خواہشات کی تکمیل فطرت کا حصہ ہے اس لئے جب انسان اپنی شہوانی آرزوؤں کو افراط وتفریط کے بجائے اسلام کے بتائے ہوئے جائز طریقوں سے پورا کرتا ہے تو فطرت کی اتباع کرنے کی بناء پر ان کا توازن درست رہتا ہے اور شدت برقرار رہتی ہے لیکن جب انسان فطرت کی مخالفت کرتے ہوئے اپنی شہوت کی آسودگی کے لئے ممنوع اور ناجائز ذرائع استعمال کرنے سے بھی نہیں چوکتا تو اس کے جنسی میلانات رفتہ رفتہ کم ہوتے چلے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ سرشت سے اس بغاوت کے نتیجے میں ایک مرحلہ ایسا آجاتا ہے کہ جب انسان کی شہوت بالکل ختم ہو جاتی ہے اور پھر وہ اپنے برے کاموں پر کف افسوس ملتا رہ جاتا ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ جو شخص جتنا پرہیز گار اور متقی ہوگا اس میں جنسی قوت اتنی ہی زیادہ ہوگی۔

فحاشی کی مذمت

عصر حاضر میں مسلمانوں کے اخلاق وکردار کی پستی کا ایک تاریک پہلو یہ بھی ہے کہ ہم عریانی وفحاشی یا عرف عام میں بے پردگی کو ایک غیر اہم مسئلہ تصور کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں ارشاد فرماتا ہے:

''جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ مومنوں میں بے حیائی پھیلے انہیں دنیا اور آخرت میں دکھ دینے والا عذاب ہوگا اور تم نہیں جانتے۔'' (النور:۱۹)

نیز فرمایا:

''اور ایمان والی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی آرائش وزیبائش کو ظاہر نہ کریں مگر جو اس میں سے کھلا رہتا ہو اور اپنے سینوں پر اوڑھنیاں اوڑھے رہا کریں۔'' (النور:۳۱)

ایک دوسرے مقام پر یوں فرمایا:

''اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور جس طرح (پہلے) جاہلیت کے دنوں میں اظہار زینت کرتی تھیں اس طرح (اب) زینت نہ دکھاؤ اور نماز پڑھتی رہو اور زکوٰۃ دیتی رہو اور اللہ اور اس کے رسول کی پیروی کرتی رہو''۔ (الاحزاب:۳۳)

جولوگ عریانی وفحاشی کوصرف ایک معاشرتی برائی سمجھتے ہیں اوراس کے نقصانات اور برے اثرات کونوجوان نسل کے اخلاقی وکردار کے لئے اتنا تباہ کن خیال نہیں کرتے وہ جاہلِ مطلق ہیں جنہیں دانائی کبھی چھوکرنہیں گزری۔ حقیقت تو یہ ہے کہ بے پردگی اوراخلاقی بے راہ روی ہی بہت سی برائیوں اورگمراہیوں کی جڑ ہے۔ جب کسی بے پردہ عورت پرمرد کی نظر پڑتی ہے تو اس کے دل و دماغ میں ہیجان برپا ہو جاتا ہے' اس عورت کی یا دمرد کی عبادت میں خلل انداز ہوتی ہے اور وہ شخص آہستہ آہستہ یادِ خداوندی سے غافل ہوکر راہِ راست سے بھٹک جاتا ہے۔ اس گمراہی کا ذمہ دارکون ہے؟ ..... حافظ ابن قیمؒ نے ذکر کیا ہے کہ مصر میں ایک نوجوان رہتا تھا' وہ مسجد میں اذان دیتا اورنماز پڑھتا تھا۔ اس کے چہرے پرعبادت کا نورعیاں تھا۔ ایک روز وہ حسبِ معمول مسجد کے مینار پراذان دینے کے لئے چڑھا تو مسجد کے پڑوس میں ایک خوبصورت عیسائی لڑکی پراس کی نگاہ پڑگئی۔ مینار سے اترکر وہ اس کے گھر چلا گیا۔ لڑکی نے پوچھا کہ: تم یہاں کیسے آئے ہو؟ اس نوجوان نے کہا کہ تمہاری محبت مجھے یہاں کھینچ لائی ہے۔ لڑکی نے کہا کہ میں تمہاری آرزو کبھی پوری نہیں کرسکتی۔ لڑکے نے کہا میں تم سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ لڑکی نے کہا یہ کیسے ہوسکتا ہے' تم مسلمان ہو اور میں عیسائی۔ لڑکے نے کہا کہ میں عیسائیت اختیار کرلیتا ہوں۔ چنانچہ وہ عیسائی ہوگیا اوران کے ساتھ رہنے لگا۔ اسی دوران وہ ایک رات سونے کے لئے مکان کی چھت پر گیا' پاؤں پھسلا تو نیچے آگرا اور مرگیا۔ یوں اس لڑکے نے ایمان سے تو ہاتھ دھویا ہی تھا' اس لڑکی سے نکاح پر بھی قادر نہ ہوسکا' یعنی حال اس شعر کے مصداق ہوگیا ؎

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم
نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

جس شخص میں غیرت وحمیت اورعفت وآبرو کی حفاظت کے جراثیم ہی ختم ہو جائیں' اسے انسان کہلانے کا کوئی حق نہیں کیونکہ شرم وحیاء ہی انسانیت کا طرۂ امتیاز ہے اوراسی سے فرد کواپنی بقاء اورسلامتی کا پیغام ملتا ہے۔ اسی لئے اسلام نے بھی اپنی

تعلیمات میں حیا کی اہمیت پر بہت زور دیا ہے۔ چنانچہ نبی اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''حیا ایمان کا حصہ ہے'' (صحیح بخاری)۔ نیز فرمایا: ''گزشتہ انبیاء کے کلام میں سے یہ بھی ہے کہ جب شرم وحیاء رخصت ہو جائے تو پھر جو چاہے کرو'' (صحیح بخاری)۔

خود آپؐ کے متعلق حضرت ابوسعید خدریؓ بیان فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ میں اس کنواری لڑکی سے بھی زیادہ شرم تھی جو (ہمیشہ) پردے میں رہتی ہے۔ (صحیح بخاری' کتاب الادب) جو شخص اجنبی افراد سے اپنی بیوی یا بہن یا بیٹی یا ماں کے ملنے پر خوشی محسوس کرتا ہے وہ کتنا بے غیرت ہے' جو آرزو رکھتا ہے کہ لوگ اس کی گھریلو خواتین کی خوبصورتی کا اعتراف کریں۔ حالانکہ ایسی عورتیں جو غیر مردوں کے سامنے اپنا حسن و جمال ظاہر کرتی ہیں' درحقیقت انسانیت کا بدصورت ترین طبقہ ہیں۔ زمین پر چلنے والے بے زبان جانور اور رینگنے والے بے حیثیت کیڑے مکوڑے ان سے ہزار گنا بہتر ہیں کیونکہ ایسی عورتیں ابلیس کی فرمانبرداری کو (پناہِ خدا) اللہ کی اطاعت پر ترجیح دیتی ہیں اور اس راستے کو اختیار کر کے اللہ کے غضب کو دعوت دیتی ہیں جس کی منزل دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔ ان ہی متعلق آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''دوزخیوں کی دو قسمیں ہیں جنہیں میں نے نہیں دیکھا۔ ایک وہ لوگ جن کے پاس بیل کی دم کی مانند کوڑے ہیں جن سے وہ لوگوں کو مارتے ہیں اور دوسری وہ عورتیں ہیں جو کپڑے پہننے کے باوجود ننگی ہیں (لباس اتنا باریک پہنتی ہیں یا جسمانی خدوخال کو اس طرح ظاہر کرتی ہیں کہ کپڑے پہننے کے باوجود عریاں ہیں)۔ یہ خود بھی لوگوں کی طرف مائل ہوتی ہیں اور انہیں بھی اپنی جانب جھکاتی ہیں۔ ان کے سر بختی اونٹ (ایک قسم) کی کوہان کی مانند ایک طرف جھکے ہوئے ہیں۔ یہ جنت میں داخل نہ ہوں گی بلکہ اس کی خوشبو بھی نہ سونگھ سکیں گی''۔ (صحیح مسلم' کتاب اللباس) ان عورتوں کی پہچان یہ ہے کہ ان کے دل ہمیشہ حقیقی راحت وسکون کو ترستے رہتے ہیں۔ ہم نے اللہ کی توفیق سے دیکھا کہ ان کی ہر مسکراہٹ میں درد وغم کا سمندر موجزن ہے' ان کی ہر مسرت وشادمانی میں حسرت و ندامت کی پرچھائیں ہوتی ہیں' ان کی ہر حالت میں بے اطمینانی اور کرب کا شائبہ ہوتا ہے اور ان کی ہر آرزو میں فطرت سے بغاوت کی صدا شامل ہوتی ہے۔

دورِ حاضر میں عریانی و فحاشی کے فروغ اور بحیثیت مجموعی انسان کے اخلاقی و روحانی زوال کے اس الم انگیز اور افسوسناک تجزیے کے بعد سوال یہ ہے کہ پوری دنیا کے انسانوں کو بے راہ روی اور مادر پدر آزادی کے اس تباہ کن بھنور سے کیسے نکالا جائے! یہ سوال پوری امتِ مسلمہ کے مصلحین کے لئے لمحۂ فکریہ ہے کیونکہ جو معاشرہ عریانی و فحاشی کے ذریعے بدکاری کے عذاب میں مبتلا ہو جائے اور جس قوم کے افراد شہوانیت پرستی اور نفسیاتی چاہتوں ہی کو سب کچھ سمجھ لیں' ان پر وقتی دعوت و تبلیغ اور وعظ و نصیحت کا اثر انداز ہونا اگر ناممکن نہیں تو انتہائی مشکل ضرور ہے کیونکہ نفس کے فتنے کی شدت سے صرف وہی لوگ باخبر ہیں جو اس کا کڑوا مزا چکھ چکے ہوں۔ یہ سوال اس قدر فکر انگیز ہے کہ انتہائی سوچ بچار کے باوجود ہم اس کا جواب تلاش کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ لہٰذا ہم کسی اور صاحبِ غور و تدبر کو دعوت فکر و نظر دیتے ہیں کہ وہ ابلیس کی اس مؤثر' دلکش اور کشش انگیز سازش کا توڑ تلاش کریں جو آج کے انسان کو اس حقیقی انسانیت سے روشناس کرا سکے جسے اللہ نے دیگر تمام مخلوق پر فضیلت و بزرگی عطا فرمائی ہے۔

بقیہ : **تذکرہ و تبصرہ**

کرنا چاہتا۔ بہر حال جو کچھ ہو رہا ہے' فلسطینیوں پر جو بھی ظلم و ستم ہو رہا ہے' اس پر ہم گہرے صدمے کے اظہار کے علاوہ اور کیا کر سکتے ہیں۔ اگر اس وقت دنیا میں کوئی خالص اسلامی حکومت موجود ہوتی تو وہ اسرائیل کو چیلنج کرتی' اس کے خلاف اعلان جنگ کرتی!!

اقول قولی هذا و استغفرالله لی ولکم و لسائر المسلمین و المسلمات○○

عائلی قوانین کا قضیہ اور کثرتِ ازواج

تحریر: نورالامین شاد

شادی دو افراد (مَرد اور عورت) کے درمیان ایک ایسے دیرپا اور خاموش معاہدے کا نام ہے جس میں عمر بھر ساتھ رہنے کا پیمان باندھا جاتا ہے اور راستے کی تمام مشکلات کو ساتھ جھیلنے کا وعدہ بھی۔ بقول انور مسعود:

راہ میں بھیڑ بھی پڑتی ہے ابھی سے سن لو
ہاتھ سے ہاتھ ملے ہیں تو ملائے رکھنا

اس معاہدے کی رو سے مَرد پر کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں' مثلاً نان ونفقہ' تحفظ اور عزت وغیرہ۔ یہ نان ونفقہ صرف عورت ہی کا نہیں بلکہ بچوں کا بھی حق ہے اور یہی شادی کا مقصد عظیم بھی ہے۔ یہ مَرد کے سماجی ومعاشی حالات پر منحصر ہے کہ وہ کس معیار کا نان ونفقہ اپنے بیوی بچوں کو فراہم کرسکتا ہے۔ اگر وہ کوئی غیر معمولی طور پر امیر آدمی ہے تو وہ نہ صرف ضرورت بلکہ تعیش کی بھی نت نئی اور ہر چیز اپنے اہل وعیال کو مہیا کرسکتا ہے' لیکن ایک غریب آدمی' ممکن ہے دو کے بجائے صرف ایک وقت کی روکھی سوکھی روٹی اور رہنے کے لئے ایک ٹوٹی پھوٹی جھونپڑی ہی دے سکے اور اس کے بیوی بچے ایسے حالات میں بھی اوّل الذکر کی محلاتی بیوی اور بچوں سے زیادہ خوش اور مطمئن ہوں۔ لہٰذا اس معاملے میں لایعنی بندشیں عائد کر کے شادی جیسے مقدس اور اہم سماجی رشتے کو مشکل تر نہیں بنانا چاہئے۔ وگرنہ پاکستان میں جہاں بے روزگاری' غربت اور تنگ دستی کی وجہ سے پہلے ہی حالات دگرگوں ہیں' کوئی مَرد شادی کی ان کڑی شرائط پر پورا نہ اتر سکا تو پھر معاشرے میں پیدا ہونے والا اخلاقی بگاڑ اور بے راہ روی ملت کے ہر سکون کو تہہ و بالا کر دیں گے۔ قرآن مجید میں مَرد اور عورت کو ایک دوسرے کا ''لباس'' قرار دیا گیا ہے۔ اس کا اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہیں' لہٰذا ایک دوسرے کے سماجی ومعاشی حالات کو مدنظر رکھ کر باہمی

تعاون اور پردہ پوشی کرتے ہیں۔ بالفاظِ دیگر دونوں ایک دوسرے کے حقوق کا تحفظ کرتے ہیں اور یہی کامیاب ازدواجی زندگی کی ضمانت بھی ہے۔

یہ عمر بھر ساتھ رہنے کا معاہدہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے عام معاہدوں کی نسبت مختلف مگر نہایت اہم بھی ہے۔ ہر چند کہ اس کو فریقین میں سے کسی ایک کی ضرورت یا مرضی سے توڑا بھی جا سکتا ہے لیکن یہ عمل بار بار اور معمولی باتوں کی بنیاد پر دُہرانا نہ تو قابل تعریف ہے اور نہ قابل عمل۔ یہی وجہ ہے کہ نہ صرف اسلام میں بلکہ دنیا کے ہر مذہب میں فطری طور پر ہر ممکن طریقے سے اس بندھن کو بچانے پر زور دیا جاتا ہے اور خاص طور پر خود ایسی عورت جس کی زندگی میں خدانخواستہ کوئی ایسی دراڑ آ جائے یا کسی اور بناء پر اس کی ازدواجی زندگی مشکلات کا شکار ہو جائے تو وہ (فطری طور پر جذباتی ہونے کے باوجود) دل سے طلاق لینے کی آرزومند نہیں ہوتی' کیونکہ اس کے بعد معاشرہ اس کو آسانی سے قبول نہیں کرتا' چاہے وہ اس سلسلے میں کتنی ہی بے قصور کیوں نہ ہو۔ لہٰذا وہ اپنا گھر اور سہاگ بچانے کے لئے امکان کی آخری حد تک نباہ کی کوشش کرتی اور اصلاحِ احوال کے لئے سر دھڑ کی بازی بھی لگا دیتی ہے' اور یہی انسان کے وہ سماجی رویئے ہیں جنہیں شاید بدلا بھی نہیں جا سکتا۔ اس ضمن میں آزاد خیال انگلستان کی شہزادی ڈیانا اور شہزادی سارہ فرگوسن کی مثالیں ہمارے لئے عبرت آموز اور چشم کشا ہیں۔ نیز اہل یورپ کا شادی سے فرار اور غیر ذمہ دارانہ طرزِ عمل بھی اسی طرح کا مفہوم رکھتا ہے جس میں مَرد کی ہوسنا کی اور بعد ازاں طلاق نے عورت کو کھلونا بنا کے رکھ دیا ہے اور اب مغرب کے سنجیدہ حلقے معاشرے کی اس بے حسی کا رونا سر بازار رو رہے ہیں۔ دریں اثناء مشرق میں دانستہ طور پر علیحدگی کا راستہ کھولنے کی کنجی خود عورت کے ہاتھ میں دے دینا ایسا ہی ہے جیسے بکری کو چھری دے کر کہہ دینا کہ خود اپنے آپ کو ذبح کر لو۔ معلوم نہیں بعض عاقبت نا اندیش لوگ تباہی کے اس راستے کی طرف کیوں بگٹٹ بھاگے جا رہے ہیں جہاں سے اہل مغرب اسی تیزی سے واپس آ رہے ہیں۔ بقول مجید امجد ؎

پلٹ پڑا ہوں شعاعوں کے چیتھڑے اوڑھے
نشیب زینہ ایام پہ عصا رکھنا

درحقیقت طلاق کا حق عورت کو تفویض کر دینے سے یہ نازک بندھن مضمحل

ہونے کے بجائے مزید کمزور ہو کر خاندانی نظام کی جڑوں کو کھوکھلا کر دے گا۔ علاوہ ازیں انتہائی ناموافق اور ناگزیر حالات میں عورت کو خلع کا حق پہلے ہی حاصل ہے جسے قدرے آسان بنانے کی ضرورت تو ہے مگر فی الوقت اس نان ایشو پر غیر ضروری طور پر بحث کرنا اور اس کو غیر معمولی طور پر اچھالنا نہ تو قابل تحسین ہے اور نہ ہی مفید۔ اس سلسلے میں بہترین متبادل تجویز یہ ہے کہ ''پسند کی شادی'' کے بجائے ''رضامندی کی شادی'' اور جہیز کے بجائے ''سادگی اور قناعت'' جیسی اخلاقی اقدار پر زور دے کر انہیں معاشرے میں رائج کیا جائے۔ محض لڑکے اور لڑکی کی پسند کے بجائے ''بزرگوں کے صلاح و مشورے'' کے ساتھ ساتھ لڑکے اور لڑکی کی ''رضامندی'' کو اصل اہمیت دی جائے۔ شادی میں زبردستی کے عنصر کی حوصلہ شکنی اور جہیز پر مکمل پابندی عائد کر کے طلاق سے چھٹکارا حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح زندگی نہایت آسان اور خوشگوار ہو جائے گی۔

ہر چند کہ اسلام میں ایک شادی ہی مستحسن اور آئیڈیل ہے مگر کچھ حالات کی بناء پر عارضی اور ہنگامی ادوار میں مَرد کی ایک سے زائد شادیوں کے معاملہ کا جس پہلو (جنسی، معاشرتی اور انسانی وغیرہ) سے بھی جائزہ لیا جائے تو اس میں کسی بھی لحاظ سے کوئی حرج اور قباحت نظر نہیں آتی۔ مثلاً عام حالات میں اگر کسی کے ہاں اولاد پیدا ہونے کی امید نہ ہو تو پھر کیا کیا جائے؟ کیا پہلی بیوی جو اس معاملے میں قطعی بے قصور ہے، کو طلاق دے کر اس کی زندگی اجیرن بنا کر نئی شادی رچائی جائے؟ اور اس کے برعکس اگر نقص عورت کے بجائے مَرد میں ہو تو کیا عورت کو زبردستی اسی کمزور مَرد کے حبالہ عقد میں رہنے دیا جائے؟ نہیں، بالکل نہیں۔ اسی طرح پہلی بیوی کی موت بھی مَرد کی دوسری شادی کی وجہ بن سکتی ہے۔ اور اگر پہلی بیوی سے بچے بھی موجود ہوں تو ایسے میں بچے بھی نئی شادی کو قبول کرنے سے گھبراتے ہیں۔ لیکن کیا بایں ہمہ ایسی صورت میں شادی کے بجائے غلط اور غیر اخلاقی راہ اختیار کر لی جائے؟ قطعاً نہیں۔ علاوہ ازیں زمانہ جہاد میں مَردوں کی شہادت کی وجہ سے یا کسی اور طرح کے ہنگامی حالات مثلاً زلزلہ، وبا، حادثات وغیرہ میں اگر مَرد فوت ہو جائیں تو ایک طرف معاشرہ مَردوں کی مزید کمی کا شکار ہو جائے گا اور دوسری طرف کئی خاندانوں کے سر سے کفیل کا سایہ اٹھ جائے گا، تو ایسی صورت میں ان مَردوں کے پس ماندگان (بیوی بچوں) کو کس طرح سنبھالا دیا

جائے؟ کیا ایسی صورت میں یہ ریاست کی ذمہ داری نہیں ہے کہ ان کا کوئی مناسب اور شایانِ شان حل تلاش کرے؟

یہ حقیقت بھی اپنی جگہ تسلیم شدہ اور ناقابل تردید ہے کہ انسانی فطرت میں دو چیزیں نہایت بے قابو اور منہ زور ہوتی ہیں: ایک ''پیٹ کی بھوک'' اور دوسری ''جنسی بھوک''۔ پیٹ کی بھوک کو مٹانے کے لئے تو انسان شب و روز ہر طرح کی تگ و دو میں مصروف رہتا ہے لیکن کیا مؤخر الذکر کو جو اوّل الذکر سے زیادہ منہ زور بھی ہے' بے لگام چھوڑ دیا جائے؟ پھر ایسا مَرد جو بیک وقت چار تک عورتیں بھی رکھ سکتا ہو' اس پر صرف ایک عورت کی پابندی لگا کر کیا اسے غلط راہوں پر چلنے پر مجبور کیا جائے؟ اور پھر تاریخی طور پر بھی کوئی ایسی شہادت نہیں ملتی کہ ایک سے زیادہ شادیوں نے معاشرے میں بگاڑ پیدا کیا ہو' بلکہ یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ شادیوں پر غیر ضروری بندش نے زندگی کو تہہ و بالا کر دیا ہے۔ اس ضمن میں عیسائی راہبوں اور راہباؤں کی مخفی زندگی کی داستانوں کا حوالہ دیا جا سکتا ہے۔ علاوہ ازیں تازہ ترین اعداد و شمار کے مطابق اس وقت پاکستان میں پچاس لاکھ عورتیں شادی کی حتمی عمر یعنی چالیس سال (۴۰ سال) سے تجاوز کر چکی ہیں اور اب بھی ان کی شادی ہونے کا کوئی امکان نہیں یقیناً اس عمر کے مَردوں کی بھی کچھ تعداد ایسی ہوگی جن کی شادی ابھی تک نہیں ہوئی' مگر طبی تحقیق سے یہ بات سامنے آ چکی ہے کہ مَرد تو کم از کم ساٹھ سال کی عمر تک صحت کے لحاظ سے تر و تازہ اور شادی کے قابل رہتا ہے لیکن کنواری عورت اور اکثر اوقات شادی شدہ بھی چالیس سال کی عمر کے بعد ازدواجی جذبات میں شدت اور بچے پیدا کرنے کی صلاحیت کھو دیتی ہے۔ ایسے میں اگر اب تک صاحب حیثیت اور صحت مند مَردوں نے ایک سے زیادہ شادیاں کر لی ہوتیں' تو کیا اس وقت یہ مظلوم بن بیاہی عورتیں معاشرے میں سکون سے نہ رہ رہی ہوتیں' جبکہ آج کے حالات میں شادی اور تحفظ کے بغیر ان کے جذبات اور حالات پر جو قیامت گزرتی ہوگی اس کا اندازہ خود ان کے بغیر کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔ ان میں سے اکثریت اب بھی شدت سے شادی اور تحفظ کی خواہاں ہے۔

ویسے بھی پاکستان میں ہر تیرہ عورتوں کے لئے صرف نو مَرد ہیں۔ کیا ہی اچھا ہو کہ ان نو مَردوں میں سے کم از کم چار صاحب حیثیت و صحت مند مَردوں کو زیادہ نہیں تو صرف دو دو شادیاں کرنے کا اخلاقی طور پر پابند کیا جائے تاکہ ملکی آبادی کا یہ غالب

حصّہ بھی دوسروں کی طرح نارمل اور رنگا رنگ زندگی کی بہاروں سے لطف اندوز ہو سکے۔ بلاشبہ سوکن کی موجودگی میں عورت فطری طور پر خود کو بے سکونی کی کیفیت میں محسوس کرتی ہے لیکن اگر اس کیفیت کا اس تجرد یا طلاق کی زندگی اور اس سے پیدا ہونے والی بے سکونی اور اخلاقی بے راہ روی کے ساتھ موازنہ کیا جائے تو کیا بہتر نہ ہوگا کہ مسلسل بے چین اور بے سکون رہنے کے ساتھ ساتھ معاشرے کی چبھتی ہوئی نظروں کا نشانہ بننے کے بجائے عزت و وقار کے ساتھ' چاہے وقفے وقفے سے ہی' آرام و سکون کا مزہ بھی لے لیا جائے' کیونکہ ازدواجی زندگی میں جہاں کچھ تلخیاں ہوتی ہیں' وہاں بہت ساری خوشیاں اور بے پناہ مسرت اور سکون بھی حاصل ہوتے ہیں اور پھر اولاد جیسی نعمت کی موجودگی میں بے سکونی کا امکان اور احساس قدرے کم ہو جاتا ہے۔

مسائل زندگی کا حصّہ ہیں' بلکہ مسائل کے بغیر زندگی ادھوری اور بے کیف بن کے رہ جاتی ہے۔ مگر یہ مسائل ریاضیاتی سوالوں کی طرح کبھی حل نہیں ہوتے اور نہ ہی قانونی بندشیں انہیں حل کر سکتی ہیں' بلکہ زندگی کے مسائل کے حل کے لئے حقیقت پسندی' سنجیدگی اور رواداری اہم شرائط ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس رشتے کے تقدس سے کھیلنے اور اسلام کے پیش کردہ بہترین خاندانی نظام پر ضرب لگانے کے بجائے حقیقت پسندی سے کام لے کر رشتوں کا احترام اور تقدس ملحوظ خاطر رکھا جائے اور ایسے حالات پیدا کئے جائیں جن سے ''زنا مشکل اور شادی آسان'' ہو جائے۔ اور اگر چند آزاد خیال عورتوں کی اپنی غیر سنجیدگی کی بناء پر اُن کے کچھ تجربات ناکام ہو چکے ہیں یا وہ مغرب کی نقالی کی وجہ سے بے سکونی کا شکار رہی ہیں تو ان کو بقیہ معصوم معاشرے سے اس کا انتقام لینے کا کوئی حق نہیں' بلکہ وہ اس کو سنوارنے اور اعلیٰ قدروں کی ترویج میں دوسروں کا ہاتھ بٹائیں تو ان کے ساتھ ساتھ اور بہت سوں کا بھلا بھی ہو سکتا ہے۔

KHALID TRADERS

IMPORTERS - INDENTORS - STOCKISTS & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER - SMALL TO SUPER - LARGE

NTN BEARINGS

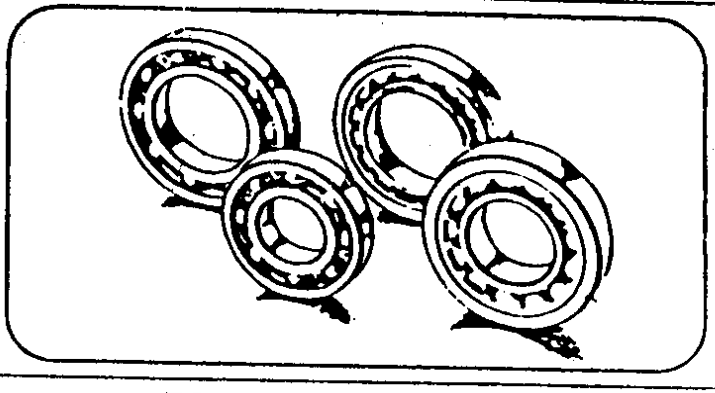

PLEASE CONTACT

Opp. K.M.C. Workshop, Nishtar Road, Karachi-74200, Pakistan.
G.P.O. Box #. 1178 *Phones :* 7732952 - 7730595 *Fax :* 7734776 - 7735883
E-mail : ktnln@poboxes.com

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : ***SIND BEARING AGENCY***, 64 A-65 Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400(Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : 5 - Shahsawar Market, Rehaman Gali No. 4, 53-Nishtar Road, Lahore-54000, Pakistan. Phones: 7639618,7639718,7639818, Fax: (42) : 763-9918.

GUJRANWALA: 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING